دار الاسلام

اور

دار الحرب

مولانا عبد العلیم اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ الاقصی

دارُالاسلام

اور

دارالحرب

(۱۹۶۷ء)

مولانا عبدالعلیم اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ

فہرستِ مضامین

تعارف

تقریباً 40 سال قبل کتابچہ ''دارالاسلام اور دارالحرب'' جامعہ مظہر العلوم بنارس سے شائع ہوا تھا۔

حضرت مولانا **عبدالماجد دریابادی** رحمۃ اللہ علیہ ایڈیٹر ''صدق جدید'' لکھنؤ اور مولانا **محمد عامر عثمانی** رحمۃ اللہ علیہ، مدیر ماہنامہ ''تجلی'' دیوبند نے اس کتابچہ پر تبصرہ فرمایا تھا۔

بطورِ تعارف ہم انھیں دونوں تبصروں کو من وعن پیش کر رہے ہیں اور آخر میں ماضی قریب کی بعض اہم شخصیات کی تحریروں کا اضافہ بھی کیا جا رہا ہے جس سے توقع ہے کہ اصل مسئلہ کو سمجھنے میں مزید مدد ملے گی۔

ناشر
طبعِ سوم
نومبر ۲۰۰۵ء

مولانا عبدالماجد دریابادی

''صدق جدید'' - ۹؍فروری ۱۹۶۸ء

''دارالاسلام اوردارالحرب'' از مولوی عبدالعلیم اصلاحی ۲۷؍صفحہ، قیمت ایک روپیہ، پتہ: ایم بی مظہری صاحب جامعہ مظہرالعلوم بنارس، دارالحرب ہونے اور اس مسئلہ کے متعلقات پر مفصل بحث ہر پہلو سے ،انداز بیان مناظرانہ نہیں بلکہ تحقیقی ،سنجیدہ اورسلجھا ہوا ہےجس کی توقع ہر اصلاحی اور ہرندوی سے کی جاسکتی ہے۔ یہ مدلل رسالہ موافق ومخالف ہرفریق کے ہاتھ میں جانے کے قابل اورسنجیدگی سے غوروفکر کا مستحق ہے۔

مولانا محمد عامر عثمانی

’’تجلی‘‘۔ جولائی و اگست ۱۹۶۸ء

دارالاسلام اوردارالحرب

تالیف : جناب عبدالعلیم اصلاحی

شائع کردہ : ایم بی مظہری صاحب، جامعہ مظہر العلوم بنارس

لکھائی چھپائی : غیر معیاری

صفحات : ۷۲

قیمت : ۱؍روپیہ

گزشتہ ربع صدی میں چند سال بھی ایسے نہ ملیں گے جن میں کسی نہ کسی اللہ کے بندے نے یہ بحث نہ اٹھائی ہو کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام یا کچھ اور۔ خود ہم کئی بار اس پر خامہ فرسائی کے مرتکب ہوئے ہیں مگر حق یہ ہے کہ پیش نظر کتابچہ میں فاضل مؤلف نے جس بے لاگ اور محققانہ انداز سے داد تحقیق دی ہے وہ اب تک کی کسی تحریر میں نظر نہ آیا۔ دلائل مضبوط، اُسلوب متین، لہجہ باوقار، دروبست گٹھا ہوا بظاہر محرک خصوصی۔ اس کتابچہ کی تالیف کا مولانا سعید احمد اکبری آبادی مدیر برہان کا وہ طویل مضمون معلوم ہوتا ہے جو اسی موضوع پر ٦٦ء میں زینت برہان ہوا تھا۔ فاضل مؤلف نے کہیں کہیں اس پر اشارے کئے ہیں اور ایک جگہ تو لمبی عبارت نقل کر کے قدح کی ہے۔

کوئی بھی صاحب علم وفہم خالی الذہن ہو کر اس کتابچہ کا مطالعہ کرے گا تو اسے ماننا پڑے گا کہ صحیح بات وہی ہے جو اس کے مؤلف کہتے ہیں اور جن لوگوں نے اپنی مصلحتوں یا مجبوریوں یا پھر غلط اندیشیوں کی بناء پر اس کے خلاف ثابت کرنا چاہا ہے۔ ان کا موقف علمی وتحقیقی اعتبار سے مضبوط نہیں۔

آخر میں اختصار کے ساتھ موجودہ ہندوستان کی حیثیت بھی واضح کی گئی ہے یہ اختصار اتنا کافی شافی ہے کہ طول کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ہمیں بہت خوشی اس پہلو کا احساس کر کے ہوئی کہ ہمارے ملک میں بفضلہٖ تعالیٰ آج بھی ایسے اہل علم وقلم موجود ہیں جو مسائل شرعیہ کے میدان میں سر سے کفن باندھ کر حق گوئی و باضمیری کی لاج رکھ سکتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ کَثِّرْ اَمْثَالَھُمْ

تمہید

دارالاسلام اور دارالحرب کی تعریف اور ان دونوں داروں سے متعلق احکام سے اعتناء اگر قدیم فقہاء کرام نے کتاب المبسوط، ہدایہ اور عالمگیری میں فرمایا ہے، جب کہ مسلمان حکمران تھے تو مسلمانوں کے زمانہ سقوط میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے لے کر موجودہ دور کے علماء نے بھی اس بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ مثلاً سود اور انشورنس جیسے بہت سارے مسائل پر آج گفتگو کرتے ہوئے دارالاسلام اور دارالحرب کی بحث سے پہلو تہی نہیں کی جاسکتی۔ نیز تقسیم ہند کے بعد قومی اور جمہوری نظام حکومت میں ملت اسلامیہ کی شرعاً کیا پوزیشن ہے؟ اس سوال کے جواب میں کوئی ٹھوس بات کہنے کے لئے بھی دارالاسلام اور دارالحرب کی بحث چھیڑنی ہی پڑتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں خامہ فرسائیوں کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ ان وجوہ سے ضرورت ہے کہ پہلے شریعت اسلامی کے اصل ماخذوں کی روشنی میں اس مسئلہ کو حل کیا جائے اور پھر موجودہ حالات پر غور ہو۔ اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یہ مختصر سا کتابچہ تیار کیا گیا ہے اور استدلال کی تمام تر بنیاد اصل ماخذ پر رکھی گئی ہے۔ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے، اس کی حیثیت فتویٰ کی ہرگز نہیں ہے، بلکہ حقیقت تک پہنچنے کی ایک کوشش ہے۔ ہمیں پورا وثوق ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ زیر نظر صفحات سے اس مسئلہ کو سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔ اگر ایسا ہوسکا تو ہمارا مقصود حاصل ہے۔

کسی مسئلہ پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ جان لینا ازبس ضروری ہے کہ کس کی نسبت سے مسئلہ کی وضاحت کرنی ہے، نماز کے احکام بیان کرنے ہیں تو سامعین کے سامنے اس بات کی وضاحت ہونی چاہئے کہ تندرست کے لیے مسائل بیان ہورہے ہیں یا مریض کیلئے۔ یہ احکام منفرد اور امام پر لاگو ہوں گے یا مقتدی پر۔ اس کی وضاحت نہ ہونے کی صورت میں عین ممکن ہے کہ سامع کو غلط فہمی ہوجائے اور وہ سمجھ بیٹھے کہ تندرست شخص کے

لیے بھی فرض نماز میں قیام فرض نہیں ہے اور کوئی حنفی المسلک شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ منفرد اور امام کو بھی سورۂ فاتحہ نہ پڑھنی چاہئے۔اس لئے کوئی بھی حکم بتانے کے ساتھ ساتھ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ کس حیثیت اور کس صفت کے فرد پر یہ حکم لاگو ہوگا۔

ہمارے موضوع کے لحاظ سے مسلمانوں کو دو خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ایک وہ جو کسی اسلامی اسٹیٹ میں شرعی امیر کے تحت زندگی گزار رہے ہوں، ان کا حاکم اللہ، دستور کتاب وسنت اور قانون شریعت ہو، دوسرے وہ جو کسی ایسے غیر اسلامی اسٹیٹ کے باشندے ہوں جس میں شرعی امیر نہ ہو، حاکم جمہور ہوں یا کوئی ڈکٹیٹر اور دستور اور قانون انسانی عقل کے مرتب کردہ ہوں قطع نظر اس کے کہ مسلمان وہاں شریک حکومت ہوں یا نہ ہوں، ان کو دوسروں کے برابر حقوق مل رہے ہوں یا نہ مل رہے ہوں۔

شریعت میں مسلمانوں کی ان دونوں حیثیتوں کے لحاظ سے احکام میں کافی فرق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پہلی حیثیت کے مسلمانوں پر جہاد بالسیف فرض ہے اور اس کی ادائیگی بھی فرض ہے زانی کو رجم کرنا، چور کا ہاتھ کاٹنا اور خدا اور رسول کے عائد کئے ہوئے تمام حدود اور تعزیرات کا جاری کرنا ان کے لئے ضروری ہے۔لیکن دوسری حیثیت کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہونے کے باوجود عام حالات میں اس کی ادائیگی صحیح نہ ہوگی۔ اِلّا یہ کہ کوئی مخصوص اور نئی صورت حال پیدا ہو جائے یا پھر دفاعی جہاد کی ضرورت پیش آ جائے اسی طرح حدود وتعزیرات جاری کرنے کی بھی گنجائش شاذ ونادر ہی صورت میں نکل سکتی ہے۔

دارالاسلام اور دارالحرب سے متعلق خاص احکام بھی بڑی حد تک (جیسا کہ آئندہ ہم مدلل طریقہ سے بتائیں گے) پہلی حیثیت کے مسلمانوں سے متعلق ہیں اور دوسری حیثیت کے مسلمانوں پر لاگو نہ ہوں گے، مثلاً جس حیثیت میں ہندوستان کے مسلمان اس وقت ہیں اس میں جس طرح ان پر شریعت کے اجتماعی احکام حدود اور تعزیرات وغیرہ لاگو نہیں ہوتے اسی طرح دارالحرب کے احکام بھی ان پر لاگو نہ ہوں گے۔خواہ ہندوستان کو دارالحرب مان لیا جائے اس لئے کہ دارالحرب کے خاص احکام لاگو ہونے کے لئے کسی ملک کا محض دارالحرب ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں میں بھی ان شرائط کا ہونا ضروری ہے جو اجتماعی احکام کے لاگو ہونے کے لئے ضروری ہیں اس لئے آئندہ صفحات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات پوری طرح ملحوظ رہے کہ دارالاسلام اور دارالحرب کی تعریف اور خصوصیت اور ان دونوں داروں سے متعلق بعض احکام کی جو وضاحت ہم کریں گے اس کا تعلق زیادہ تر پہلی حیثیت کے مسلمانوں سے ہوگا اور دوسری حیثیت میں رہنے والے مسلمانوں کی بات ایک مستقل عنوان کے ساتھ آخر میں مختصراً پیش کی جائے گی۔

دارالکفر یا دارالحرب

اس ضروری تمہید کے بعد اب آیئے ہم اصل مسئلہ پر غور کریں۔ اس سلسلہ میں پہلا سوال جو ذہن میں اُبھرتا ہے وہ یہ ہے کہ دارالاسلام کے مقابلہ میں تو دارالکفر کی اصطلاح بولنی چاہیے لیکن عام طور سے دارالحرب کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ ہمارے نزدیک اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ دارالکفر اور دارالحرب میں مفہوم کے لحاظ سے بایں وجوہ کوئی فرق نہیں ہے۔

① ایک ہی مسئلہ میں صاحب بدائع الصنائع دارالکفر اور صاحب مبسوط دارالحرب کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

② فقہاء کرام جہاد بالسیف کی فرضیت پر اس طرح کی آیات سے استدلال کرتے ہیں:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبۃ:۵)

ترجمہ: پس مشرکین کو قتل کرو جہاں انھیں پاؤ۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال:۳۹)

ترجمہ: ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہوجائے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لئے ہوکر رہے۔

کفّار کی اصلی حیثیت محارب کی ہے

ان آیات سے فرضیت جہاد بالسیف پر دلیل لانے کا مطلب یہ ہوا کہ کفار اور مشرکین کے حق میں قتل اور قتال کا حکم کسی ہنگامی صورت حال سے متعلق نہیں ہے اور ان کی اصل حیثیت مسالم کی نہیں بلکہ محارب کی ہے ورنہ فقہاء کے استدلال پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ ایک خاص موقع کی آیت سے مستقل جہاد کی فرضیت پر کیونکر دلیل لائی جاسکتی ہے۔

③ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

قِتَالُ الْكُفَّارِ وَاجِبٌ وَاِنْ لَّمْ يَبْدَؤُنَا ''کفار سے جنگ واجب ہے چاہے وہ شروع نہ کریں۔''

اس عبارت میں یہ بتانا ہرگز مقصود نہیں ہے کفار کے ساتھ جنگ میں پہل بھی کی جاسکتی ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو ''**واجب**'' کے بجائے جائز کا لفظ استعمال ہوتا، لفظ ''**واجب**'' پہل اور اقدام کو جائز ہی نہیں بلکہ واجب بتاتا ہے، اس طرح مستقل طور سے کفار کی حیثیت محارب کی قرار پاتی ہے۔ عالمگیری میں ہے:

قتال الكفار الذين لم يسلموا وهم من مشركي العرب أو لم يسلموا ولم يعطوا الجزية من غيرهم واجب وان لم يبدونا. (كذافي فتح القدير)

ترجمہ: ''ان کفار سے جو ایمان نہ لائیں اور وہ مشرکین عرب میں سے ہوں یا غیر عرب میں سے جو ایمان نہ لائیں اور جزیہ نہ دیں جنگ واجب ہے چاہے وہ ہم سے پہل نہ کریں۔''

یہاں یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ وجوب قتال کی علت مشرکین عرب کے حق میں ان کا کفر و شرک ہے اور غیر عربی مشرکین کے حق میں کفر و شرک اور جزیہ دے کر زیر نگیں رہنے کے بجائے آمادۂ جنگ ہونا ہے۔ نفس وجوب قتال کے لئے اس کے علاوہ کوئی شرط نہیں ہے۔ ہاں عملاً قتال کرنے کے لئے مسلمانوں میں قوت اور امیر کا ہونا بھی شرط ہے دوسرے لفظوں میں یہ دونوں چیزیں ادائے واجب کے لئے شرط ہیں نہ کہ واجب کے واجب ہونے کے لئے علت، واجب تو بہر صورت واجب ہے خواہ اداءِ واجب کی شرطیں موجود ہوں یا نہ ہوں، جیسے نماز بہر حال فرض ہے چاہے وضو کے لئے آپ کے پاس سامان مہیا ہو یا نہ ہو۔

ایک اور پہلو سے غور کیجئے

قتال واجب ہے اور صلح محض جائز ہے اور اس کا جواز بھی مشروط ہے کفار سے صلح کے متعلق یہ دو آیتیں فقہاء کے سامنے ہیں۔

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (سورۂ محمد:۳۵)

ترجمہ: ''پس تم سست نہ ہو اور نہ صلح کی طرف بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے۔''

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال:۶۱)

ترجمہ: ''وہ اگر مائل بہ صلح ہوں تو تم صلح کر لو۔''

ان دونوں آیات کے پیش نظر یہ مسئلہ مستنبط ہوا:

واذا رای الامام ان يصالح اهل الحرب او فريقا منهم و كان في ذلك مصلحة للمسلمين فلا باس به۔ (الهداية)

ترجمہ: ''اور جب امام اہل الحرب یا ان میں سے کسی گروہ سے صلح کرنا مناسب سمجھے اور اس میں مسلمانوں کی مصلحت ہو تو صلح میں کوئی حرج نہیں۔''

کفار کے حق میں قتال کے واجب ہونے اور صلح کے محض جائز ہونے کی اس کے علاوہ کیا بنیاد ہو سکتی ہے کہ کفار کی اصل حیثیت محارب کی ہے۔ جب کفار محارب ہیں تو لازماً ہر دار الکفر دار الحرب ہو گا ہی۔

مشرکین کے ساتھ تعلقات کی بنیاد

ہماری اس گفتگو سے جہاں دار الکفر اور دار الحرب کا مترادف ہونا ثابت ہوا وہیں یہ حقیقت بھی واضح ہو کر

سامنے آگئی کہ کفار اور مشرکین اور مسلمانوں کے مابین معاملات کی نوعیت کیا ہے اور ان کے درمیان معاملات اور تعلقات قائم کرنے میں بنیاد اور اصل الاصول کیا ہے لیکن بات چونکہ نہایت ہی اہم ہے اس لئے مزید وضاحت کیلئے علامہ سرخسی کی ایک تقریر ہم یہاں پیش کرتے ہیں علامہ موصوف اپنی کتاب ''کتاب المبسوط'' میں کتاب السیر کی ابتداء کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جان لو کہ سِیَرٌ، سیرت کی جمع ہے۔ اس کے ذریعہ اس کتاب کا نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کتاب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ مشرکین کے ساتھ خواہ وہ اہل الحرب ہوں یا اہل العہد مستامن اور ذمی، نیز مرتدین اور اہل البغی کے ساتھ مسلمانوں کا معاملہ کیا ہوگا؟ اقرار کرنے کے بعد انکار کی بناء پر مرتدین کی خباثت کفار سے بڑھی ہوئی ہے اور اہل بغی کا جرم مشرکین سے کم ہے۔ وہ جاہل ہیں لیکن تاویلاً دین کا ابطال کرنے والے ہیں۔''

مشرکین کو دین کی طرف دعوت دینا اور ان میں سے جو دعوت قبول نہ کریں ان سے قتال کرنا واجب ہے، کیونکہ آسمانی کتابوں میں اِس اُمت کی صفت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بتائی گئی ہے اور اسی صفت کی وجہ سے اسے خیر اُمت کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.

(آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ: ''تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کیلئے پیدا کی گئی ہے تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو۔''

سب سے بڑا معروف ایمان باللہ ہے، پس ہر مومن کے لئے اس کا امر کرنا اور اس کی جانب دعوت دینا لازم ہے اور سب سے بڑا منکر شرک ہے کیوں کہ بغیر کسی تاویل کے انکار حق کی بناء پر جہل اور عناد کی وہ انتہا ہے پس ہر مومن کے لئے اپنی وسعت اور قدرت کے مطابق شرک سے روکنا ضروری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آغازِ دعوت میں مشرکین سے چشم پوشی اور اعراض کا حکم تھا، قال اللہ تعالیٰ: فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ (اچھی طرح درگذر کرو) وقال اللہ تعالیٰ: وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (یعنی مشرکین سے اعراض کرو)۔

پھر (دوسرے مرحلہ میں) وعظ اور بطریق احسن مجادلہ کے ساتھ دعوت الی الدین کا حکم ہوا۔

قال اللہ تعالیٰ: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ. (النحل:۱۲۵)

ترجمہ: ''اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور ان سے بطریق احسن مجادلہ کرو۔''

پھر (تیسرے مرحلہ میں) قتال کا حکم دیا گیا اس شرط کے ساتھ کہ ابتداء مشرکین کی جانب سے ہو۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (الحج:۳۹)

ترجمہ: ''اجازت دی گئی ان کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس لئے کہ وہ مظلوم ہیں۔''

فَإِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ (البقرۃ:۱۹۱)

ترجمہ: ''پس اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم ان سے جنگ کرو۔''

وَإِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال:۶۱)

ترجمہ: ''اگر وہ صلح کی جانب مائل ہوں تو تم بھی صلح کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔''

پھر (چوتھے مرحلہ میں) قتال کا خود آغاز کرنے کے لئے کہا گیا۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (الانفال:۳۹)

ترجمہ: اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبۃ:۵)

ترجمہ: پس مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولو الا اله الا الله فاذا قالوها فقد عصموا منی دماءهم واموالهم الا بحقها وحسابهم علی الله (رواہ مسلم)

ترجمہ: مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں پس جب وہ اقرار کر لیں گے تو وہ مجھ سے اپنے خون اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے اِلّا یہ کہ ان پر کوئی حق ہو اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

پس معاملہ مشرکین کے ساتھ جہاد کی فرضیت پر مستقل ہو گیا اور جہاد تا قیام قیامت فرض ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

الجهاد ماض مذ بعثني الله تعالى الى ان يقاتل اخر عصابة من امتى الدجال.

ترجمہ: جہاد میری بعثت سے جاری رہے گا تا آنکہ میری امت میں سے آخری گروہ دجال سے جنگ کرے۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کے قریب میں تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں اور میری روزی میرے نیزے کے سائے میں بنائی گئی۔ میرے مخالفین کے لئے رسوائی اور ذلت کا فیصلہ کر دیا گیا ہے اور جو کسی قوم سے تشابہ

اختیار کرے گا وہ انھیں میں شمار ہوگا۔‘‘(مسند احمد)

اس کی تفسیر سفیان بن عیینہ نے یوں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو چار تلواروں کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ایک تلوار جس کے ذریعہ بذات خود حضور ﷺ نے اصنام پرستوں سے جنگ فرمائی اور ایک تلوار جس کے ذریعہ حضرت صدیقؓ نے اہل ارتداد سے جنگ کی تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ (تم ان سے جنگ کروگے یا وہ اسلام قبول کریں) ایک تلوار جس کے ذریعہ حضرت فاروقؓ نے مجوس اور اہل کتاب سے جنگ کی۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ الخ (ان سے جنگ کرو جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے) ایک تلوار جس کے ذریعہ حضرت علیؓ نے مارقین، ناکثین اور قاسطین سے جنگ کی۔ اسی طرح ایک روایت ہے کہ مجھے مارقین، ناکثین اور قاسطین سے جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔

ارشاد باری ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات:۹)

ترجمہ: پس اس گروہ سے جنگ کرو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

پھر فریضۂ جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ فرض عین جو ہر باستطاعت شخص پر وسعت کے مطابق فرض ہوتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جہاد کے لئے عام اعلان ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (التوبۃ:۴۱)

ترجمہ: جہاد کے لئے نکلو ہلکے ہو خواہ بوجھل۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ (التوبۃ:۳۸)

ترجمہ: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں نکلو تو تم دبک جاتے ہو۔

دوسری قسم فرض کفایہ ہے جب کچھ لوگوں کے جہاد کرنے سے باقی لوگوں سے فریضہ اصل مقصود حاصل ہونے کی بناء پر ساقط ہو جائے یعنی کچھ ہی لوگوں کے ذریعہ شوکت کفار پامال اور دین حق کو عزت اور تمکنت حاصل ہو جائے۔ یہ اس لئے کہ اگر ہر وقت اور ہر شخص پر فرض کر دیا جائے تو فریضہ جہاد کا یہ مقصود ختم ہو جائے گا کہ مسلمان امن سے رہیں اور اپنے دین اور دنیا دونوں کی مصلحتوں کو پورا کرنے کی انھیں پوری قدرت حاصل ہو لیکن جب سب کے سب جہاد میں مشغول ہو جائیں گے تو مصالح دنیا کے لئے فرصت نہ ملے گی اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اگر کچھ لوگ فریضہ کو ادا کر رہے ہوں تو بقیہ لوگوں سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ کبھی خود جہاد میں

تشریف لے جاتے اور کبھی کسی دوسرے کو بھیجتے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ ہر سریہ اور جیش کے ساتھ میں خود جاؤں۔لیکن میں لوگوں کیلئے سواری نہیں پاتا اور لوگ مجھ سے پیچھے رہ جانے میں خوشی نہیں محسوس کرتے۔میری تمنا ہے کہ میں اللہ کے راستہ میں جنگ کروں اور قتل کر دیا جاؤں۔پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں۔(کتاب المبسوط الجزء العاشر)

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے دو حقیقتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں:

① یہ کہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان باہم معاملہ کے لحاظ سے مشرکین کی پانچ قسمیں ہوسکتی ہیں۔

①-اہل الحرب۔ ②-مستامن۔ ③-اہل العہد۔ ④-ذمّی۔ ⑤-مرتد۔

اب یہ مسئلہ خود بخود صاف ہو جاتا ہے کہ جس وقت اور جس جگہ بھی یہ سوال پیدا ہو کہ ہم غیر مسلمین کے ساتھ کس طرح معاملہ کریں تو ہمیں لامحالہ ان کی حیثیت متعین کرنی پڑے گی وہ حربی ہیں، مستامن ہیں، ذمّی ہیں، اہل العہد ہیں، مرتد ہیں، کیا ہیں؟ اس کے بغیر جو فیصلہ بھی کیا جائے گا وہ صحیح نہ ہوگا اور غیر شرعی ہوگا اور لوگ بڑی بھول میں ہیں جو اس حقیقت کو فراموش کر کے کہتے ہیں کہ اس دور میں وطنیت اور قومیت کے نئے نئے تصورات پیدا ہوئے ہیں اور انھیں کے مطابق ملکی اور بین الاقوامی معاملات طے پاتے ہیں اس لئے مسلمانوں کو انھیں تصورات کی روشنی میں غیر قوموں کے ساتھ تعلقات استوار کرنا چاہئے۔ہم کہتے ہیں اسلامی نظریات اور اقدار کے علاوہ نت نئے بہت سارے نظریات اور تصورات پیدا ہوئے اور نہ معلوم ابھی کتنے اور پیدا ہوں گے لیکن بہر صورت وہ کفر و شرک کے بطن سے پیدا ہوں گے محض ان کا نیا ہونا ان کو اسلام سے قریب نہیں کرسکتا اور اسلامی اقدار بدلے ہیں اور نہ بدلے جا سکتے ہیں۔

② یہ کہ مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے معاملہ کی بس ایک نوعیت ہے اور وہ ہے جہاد۔جس کے خلاف قرآن وسنت، فقہی اُصول اور جزئیات کہیں سے بھی کوئی دلیل نہیں لائی جاسکتی، ہاں یہ تو ممکن ہے کہ اُمت مسلمہ کے کچھ افراد کسی مجبوری یا مصلحت کی بناء پر عارضی اور وقتی طور پر جہادی نسبت کے علاوہ کوئی دوسری نسبت قائم کرلیں اور اس کو صحیح بھی قرار دے دیا جائے۔مگر بحیثیت اُمت کوئی مستقل نسبت اور رویہ جہاد کے علاوہ قائم کرلیں اور اس پر قرآن وسنت سے مہر تصدیق بھی کرالی جائے ناممکن اور محال ہے۔یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ جو مسلمان جہاد کے شعبۂ قتال کی پوزیشن میں نہ ہوں ان کو جہاد کے شعبۂ دعوت پر ہی لازماً اکتفا کرنا ہوگا۔

ازالۂ شبہات

یہاں چند شبہات ہیں جن کا ازالہ ضروری ہے۔

(۱) جب کفار سے ہماری محض جہاد کی نسبت ہے تو دعوت الی الدین کا مقام کیا ہوگا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جہاد سے مراد صرف قتال نہیں ہے جیسا کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں بلکہ قتال جہاد کا محض ایک مرحلہ ہے یا یوں کہا جائے کہ وہ جہاد کی ایک صورت ہے اور قتال کی طرح دعوت الی الدین بھی جہاد کی ایک شکل ہے گویا جہاد میں دعوتی جدوجہد اور قتال دونوں کا مفہوم شامل ہے۔

هو الجهاد لغة مصدر جاهد في سبيل الله و شرعا الدعاء الى الدين الحق قتال من لم يقبله. (شمسی بحواله الدر المختار، ص:۳۳۸)

ترجمہ: جہاد باعتبار لغت جاہد فی سبیل اللہ کا مصدر ہے اور باعتبار شرع دین کی طرف دعوت دینا اور دین قبول نہ کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنا ہے۔

فالجهاد هو الدعاء الى الدين الحق والقتال مع من امتنع وتمرد عن القبول اما بالنفس او المال. (كتاب السير عالمگیری)

ترجمہ: پس جہاد دین حق کی طرف دعوت دینا اور ان کے ساتھ جان و مال کے ساتھ جنگ کرنا ہے جو کنارہ کشی اختیار کریں اور قبول حق کے مقابلہ میں سرکشی کریں۔

(۲) جب مشرکین سے محض جہاد کرنا ہے تو پھر ایسا کیوں ہے کہ ان سے صلح اور معاہدہ کو جائز رکھا گیا ہے؟ اس شبہ کا ازالہ صاحب ہدایہ کے ان الفاظ کے ذریعہ پوری طرح ہو جاتا ہے، جواز صلح کے نقلی دلائل پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ولان الموادعة جهاد معنى اذا كان خيرًا للمسلمين لان المقصود وهو دفع الشر حاصل به ولا يقتصر الحكم على المدة المروية لتعدى المعنى الى ما زاد عليها بخلاف ماذا لم تكن خيرًا الا انه ترك الجهاد صورة و معنى.
(جلد اول صفحہ:۵۴۳۰)

ترجمہ: اور اس لئے بھی کہ صلح معنوی اعتبار سے جہاد ہے جبکہ مسلمانوں کے لئے اس میں بھلائی ہو۔ کیوں کہ مقصود یعنی شر کا دفع کرنا، اس کے ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے اور یہ حکم روایت میں مذکور مدت پر موقوف نہ ہوگا کہ علت اس سے زیادہ ہونے کے بعد بھی پائی جاسکتی ہے برخلاف اس حالت کے جب صلح میں بھلائی نہ ہو ''یعنی جائز نہ ہوگی'' اس لئے کہ یہ صورت اور معنی دونوں اعتبار سے ترک جہاد کے ہم معنی ہوگا۔

③ ایسا کیوں ہے کہ اسلامی فوج کسی ملک پر چڑھائی کرے تو پہلے ان کے سامنے اسلام پیش کرے اگر قبول کرلیں تو فبہا ورنہ جزیہ کا مطالبہ کرے جزیہ دینا منظور کرلیں تو ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ.

اس شبہ کے ازالہ کے لئے فقہاء اور مفسرین نے جو کچھ کہا ہے اس کا ماحصل جاننے کے لئے صاحب روح المعانی کی تقریر ہم اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

> ''کفار سے جزیہ وصول کرنے میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ چند درہم لے کر کفر پر ان کے باقی رہنے کو کیوں کر گوارا کیا جاتا ہے۔ قطب نے اس کا جواب دیا ہے کہ جزیہ لینے کا مقصد کفر پر ان کو قائم رکھنا نہیں ہے بلکہ ایک مدت تک انھیں مہلت دینے کے ہم معنی ہے ممکن ہے اسلام کے محاسن اور دلائل سے انھیں واقفیت ہوجائے اور اسلام قبول کرلیں۔

اتقانی نے کہا جزیہ کفر پر باقی رکھنے کا عوض نہیں ہے ہاں عوض ہے قتل اور استرقاق کا جن کے وہ کفر کی بناء پر سزاوار تھے بالکل ایسے ہی جیسے قصاص کا عوض مال بن جاتا ہے یا یہ کہا جائے کہ جزیہ بھی ایک سزا ہے جو کفّار کو دی جاتی ہے۔

> ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ دارالاسلام کی حمایت اور دفاع جس طرح مسلمانوں کے لئے ضروری ہے اسی طرح وہاں رہنے والے کفار کے لئے بھی، لیکن چونکہ ان کا میلان کفر کی جانب ہے اس لئے ان کی حمایت اور نصرت کے بدلے مال وصول کیا جاتا ہے۔'' (جزعاشر، صفحہ: ۷۲)

④ چوتھے شبہے کی بنیاد آیت لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کے صحیح مفہوم سے ناآشنائی ہے کہ جب دین میں زبردستی نہیں ہے تو پھر مومنین اور مشرکین کے مابین تعلقات کی بنیاد جہاد پر کیوں کر ہوگی جب کہ جہاد میں قتال کا مفہوم شامل ہے۔

اس سوال میں ایک طرف آیت کو بے محل استعمال کیا گیا ہے دوسری طرف جہاد کے مقصد کو نہیں سمجھا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جہاد کا مقصد لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں ہے بلکہ انہیں ظلم وسرکشی اور فتنہ وفساد سے روک کر قانون عدل کا تابع بنادینا اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور آیت کو اس کے سیاق وسباق کے ساتھ دیکھئے تو اس کے معنی یہ سامنے آئیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل ایسے شافی اور قاطع طریقہ سے بیان کردیئے کہ عذر کی گنجائش نہ رہی تو اس نے فرمایا کہ ان دلائل کی توضیح کے بعد کسی کافر کے لئے کفر پر قائم رہنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔ اور اب اگر وہ ایمان نہ لائے تو اس کو قائل کرنے کی صرف یہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ اسے بزور شمشیر اس پر مجبور کیا جائے مگر یہ اس دنیا میں کہ ابتلاء وآزمائش کا گھر ہے جائز نہیں، کیوں کہ قہر واکراہ سے دین پر مجبور کرنا،

ابتلاء وامتحان کے مقصد کو باطل کر دیتا ہے تقریباً یہی مضمون ان آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف:۲۹)

ترجمہ: جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر پر قائم رہے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (یونس:۹۹)

ترجمہ: اور اگر تیرا رب چاہے تو تمام روئے زمین کے لوگ ایمان لے آئیں، کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مومن ہوجائیں۔

الغرض آیت لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ اور اس جیسی دوسری آیات پیش کر کے مشرکین کے ساتھ تعلقات میں جہاد کے اصل الاصول ہونے کی تردید نہیں کی جاسکتی اور ہاں لوگ اس طرح کی آیات پیش کر کے اسلام کو اس قدر روادار ثابت کرتے ہیں کہ اس کا رشتہ نظریہ وحدت ادیان سے ملا دیتے ہیں۔ایسے لوگ دراصل دنیا کو دھوکا دے رہے ہیں اور اسلام کی غلط تعبیر اور ترجمانی کرتے ہیں۔اسلام اس معنی میں ضرور روادار ہے کہ اپنے اقتدار کے باوجود کفر وشرک کے وجود کو گوارا کرتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حق باطل دونوں اس کے نزدیک یکساں زندہ رہنے کے مستحق ہیں برتری اور بالادستی تو دور کی بات ہے اسلام باطل کی برابری اور ہمسری کا بھی روادار نہیں ہے بلکہ اس کی رواداری کی بنیاد یہ ہے کہ حق ہو یا باطل کسی بھی چیز کے قبول کرنے کا تعلق قلب سے ہے اور قلب میں کوئی چیز زبردستی ٹھونسی نہیں جاسکتی اور جو زبردستی ٹھونس دی جائے خدا کے نزدیک اس کا کوئی وزن نہیں ہے۔ اس لئے وہ باطل کو بادل ناخواستہ برداشت کرتا ہے۔

⑤ ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی ملک غیر جانب دار بھی تو ہوسکتا ہے اس سلسلے میں ہم کہیں گے کہ غیر جانب داری کوئی مستقل چیز نہیں ہے بلکہ غیر جانب داری کا رویہ اختیار کرنا بھی ایک قسم کا معاہدہ ہے مثلاً کوئی ملک کسی دوسرے ملک سے کہتا ہے کہ فلاں معاملہ میں ہم نہ تمہاری حمایت یا مخالفت کریں گے اور نہ تمہارے فریق کی۔سوچئے کہ غیر جانب داری اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے اور پھر کیا یہ ایک قسم کا معاہدہ نہیں ہے۔

دارالاسلام

پچھلی بحث سے یہ بات محقق ہوچکی کہ مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے معاملات میں جہاد ہی بنیاد اور اصل الاصول ہے اب اس کے بعد ہمارے لئے بالکل ممکن ہے کہ قرآن میں بیان شدہ احکام جہاد کی روشنی میں دونوں داروں کی تعریف اور خصوصیت ہم متعین کرسکیں۔

عام طور پر اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کتب فقہ کی چند عبارتوں کے گرد ساری بحث مرکوز رہتی ہے اور ہر شخص ان کا ایک مفہوم نکال کر دارالاسلام اور دارالحرب کی ایک تصویر پیش کر دیتا ہے جو بسا اوقات موجودہ حالات کے دباؤ کی عکاسی کرتی ہے اور یہ اس بات کا ثبوت بھی ہوتا ہے کہ مسئلہ کا اصل سرا ابھی ہاتھ نہیں آیا ہے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ یہ دونوں اصطلاحیں دور رسالتؐ، دورِ صحابہؓ کے بعد کی ہیں۔ لیکن ان سے متعلق احکام تو نئے نہیں ہیں اور فی الحقیقت انھیں احکام کو مرتب کرتے وقت یہ اصطلاحیں وجود میں آئی ہیں، اس لئے ان احکام کے مطابق دونوں اصطلاحوں کی حقیقی تصویر پیش کی جا سکتی ہے جو کتب فقہ کی عبارتوں کا مفہوم متعین کرنے میں معین و مددگار بھی ثابت ہوگی اور مختلف عبارتوں کے حق میں رد و قبول کے لئے معیار اور کسوٹی کا کام بھی دے گی چنانچہ اس مقصد کے لئے جب ہم قرآن کی جانب رجوع کرتے ہیں تو ہمارے سامنے دارالاسلام کی دو صورتیں صاف طور پر آتی ہیں کہ انھیں دو صورتوں میں کوئی غیر مسلم ملک نا قابل جنگ ہوگا۔

① وہ ملک جہاں شرک سرے سے نابود ہو اور اسلام ہی پوری زندگی کا دین ہو، فرد اور سماج پر دین کی حکمرانی، اخلاق، معاشرت، حکومت، سیاست ہر ایک کو اللہ کے دین کے مطابق استوار کیا گیا ہو اور شرک کے لئے سانس لینا بھی جائز نہ ہو اس دارالاسلام کی مثال ملک حجاز ہے کہ وہاں کسی مشرک کے لیے گنجائش نہیں ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال:۳۹)

ترجمہ: اُن سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو کر رہے۔

شرک کو فتنہ اس لئے کہا گیا ہے کہ پورا دین اللہ کے لئے ہونے میں شرک مزاحم اور باعث ابتلاء ہوتا ہے۔

② وہ ملک جہاں شرک کے وجود کو گوارا کیا جائے لیکن بالا دستی دین حق کو حاصل ہو، حلت و حرمت اور جائز و ناجائز قرار دینے کے سارے اختیارات کفر کے ہاتھوں سے چھین لئے جائیں۔ کفر و اہل کفر مغلوب اور مقہور اور ماتحت ہو کر رہیں۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبۃ:۲۹)

ترجمہ: ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اللہ و رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں کرتے اور دین حق کی پیروی نہیں کرتے، ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی یہاں تک کہ وہ ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کریں۔

حنفیہ کے نزدیک اہل کتاب خواہ عربی ہوں یا عجمی سب سے جزیہ لیا جاسکتا ہے اور عجم کے تمام مشرکین انھیں اہل کتاب کے حکم میں ہیں۔امام شافعی صاحبؒ کے نزدیک عجمی مشرکین کیلئے بھی بس دو چیزیں ہیں اسلام یا تلوار۔

دیکھئے دارالاسلام کی مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں اسلام کی بالادستی اور حکمرانی اور کفر کا نیست و نابود ہونا یا کم ازکم ماتحت اور زیر سایہ اسلام ہونا اور فتنہ نہ بننے کی پوزیشن میں ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔

اب آیئے دیکھیں فقہاء اسلام کی تصریحات سے ہمیں کیا روشنی ملتی ہے۔ ہمارے علم کی حد تک فقہاء حنفیہ کے درمیان اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لاخلاف بین اصحابنا فی ان دارالکفر تصیر دارالاسلام بظهور احکام الاسلام فیها (بدائع الصنائع، جز سابع، ص:۱۳۰)

ترجمہ: یعنی ہمارے اصحاب کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دارالکفر میں اسلامی احکام غالب ہونے سے وہ دارالاسلام بن جاتا ہے۔

اعلم ان دار الحرب تصیر دار الاسلام بشرط واحد وهو اظهار حکم الاسلام فیها۔ (عالمگیری، جلد ۳، ص:۱۴۶)

ترجمہ: یعنی جان لو کہ دارالحرب محض ایک شرط سے دارالاسلام بنتا ہے اور وہ ہے اسلامی حکم قانون کا غلبہ اور نفاذ۔

اذا کانت دار من دور اهل الحرب قد وادع المسلمون اهلها علی ان یؤدوا الی المسلمین شیئا معلوما فی کل سنة علی ان لا یجری علیهم المسلمون احکامهم فهذه دار الحرب لان الدار انما تصیر دار الاسلام باجراء حکم المسلمین فیها و حکم المسلمین فیها غیر جار فکانت هذه دار الحرب۔

(شرح السیر الکبیر، جلد۴، ص:۳۰۲)

ترجمہ: اور جب اہل حرب کے داروں میں سے کسی دار کے باشندوں سے مسلمانوں نے اس شرط کے ساتھ صلح کرلی کہ وہ ہر سال مسلمانوں کو ایک متعین شئی اس شرط پر دیں گے کہ مسلمان اپنے قوانین ان پر جاری نہ کریں گے تو یہ دارالحرب ہوگا کیوں کہ کوئی دار دارالاسلام اس وقت بنتا ہے جب کہ اس میں مسلمانوں کا قانون جاری کیا جائے اور مسلمانوں کا قانون جاری نہیں ہے اس لئے یہ دار دارالحرب ہے۔

ان المراد بدار الاسلام بلاد یجری فیها حکم امام المسلمین وتکون تحت قهره "کافی"۔

ترجمہ: یعنی بلاشبہ دارالاسلام سے مراد ایسے شہر ہیں جن میں مسلمانوں کے امام کا حکم جاری ہو اور وہ شہر اس کے زیر اقتدار رہوں۔

اظہار احکام کا مفہوم

ان فقہی تصریحات سے معلوم ہوا کہ دارالاسلام کی اصل خصوصیت اسلامی احکام کا اظہار اور اجراء ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے کوئی بھی دار دارالاسلام بن جاتا ہے اس مقام پر پہنچ کر یہ بھی جان لینے کی ضرورت ہے کہ احکام کے اظہار اور اجراء کا مفہوم کیا ہے یہ دیکھ کر ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ بعض لوگ اظہار احکام کا مفہوم مذہبی آزادی لیتے ہیں جو متعدد وجوہ سے غلط اور گمراہ کن ہے۔

① عربی سے تھوڑی بہت شد بدر کھنے والا شخص بھی اچھی طرح جان سکتا ہے کہ اظہار میں غلبہ کا مفہوم پایا جاتا ہے اور احکام کے لئے لفظ اظہار کا استعمال دراصل "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" جیسی آیاتِ قرآنی سے ماخوذ ہے اس طرح لغت اور استعمال دونوں لحاظ سے اظہار احکام میں غلبہ کا مفہوم شامل ہے۔

② اظہار احکام کو اگر مذہبی آزادی کے ہم معنی قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ "قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ" آیات وغیرہ کی منشاء پوری نہ ہوگی۔ یعنی قرآن کی روشنی میں ہم نے دارالاسلام کی یہ جو خصوصیت بتائی ہے کہ یا تو شرک کا وہاں وجود ہی نہ ہوگا یا پھر اسلام کے ماتحت فتنہ نہ بن سکنے کی پوزیشن میں ہوگا، وہ وجود میں نہ آسکے گی۔ اس لئے کہ غیر اسلام کے ہاتھ میں اقتدار اعلیٰ ہوتے ہوئے خواہ کتنی ہی مذہبی آزادی ہو بہر صورت یہ ماننا پڑے گا کہ پورا کا پورا دین اللہ کے لئے ہونے کی راہ میں شرک فتنہ بننے کی پوزیشن میں موجود ہوگا پس اظہار احکام اسلامی کا لازماً یہ مفہوم ہوگا کہ اسلام کو بالادستی اور رتبہ حکمرانی حاصل ہو اور کفر یا تو نیست و نابود ہو یا کم از کم اس طرح ماتحت اور زیر سایہ اسلام ہو کہ فتنہ نہ بن سکے۔

③ یہ معلوم اور مسلم ہے کہ دارالاسلام میں ذمی کو پرائیوٹ طور پر مذہبی آزادی ہوتی ہے پس اگر اظہار احکام اور مذہبی آزادی دونوں ایک ہی چیز ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دارالاسلام میں بیک وقت اسلام اور کفر دونوں کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

④ کچھ مذہبی آزادی اور دینی شعائر کیلئے اجازت ہی دارالاسلام ہونے کیلئے کافی ہو تو روئے زمین پر دارالحرب کا وجود تقریباً محال ہوتا اور تاریخ عالم میں حق اور باطل کی کشمکش کی داستان کہاں ہوتی! اور پھر فقہاء اسلام کو اس بات کی کیا ضرورت تھی کہ وہ بحث کریں کہ دارالحرب میں ایک مسلمان سے کون سے احکام ساقط ہوجاتے ہیں اور کن کی پابندی لازم ہے اور یہاں ہدایہ کے اس جزئیہ کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔

ولا باس برميهم وان كان فيهم اسيراً وتاجرا وان تترسوا بصبيان المسلمين وبالاسارىٰ لم يكفوا عن رميهم ويقصدون بالرمى الكفار (ہدایہ اولین، ص:۵۴۱)

ترجمہ: اوران پر تیر چلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر چہ ان کے اندر کوئی قیدی اور کوئی تاجر مسلمان ہو اور اگر وہ مسلمانوں کے بچوں اور قیدیوں کو مقابل میں کر دیں تو بھی مسلمان ان کو مارنے سے رکیں نہیں اور مارتے وقت نیت کفار کو مارنے کی رکھیں گے۔

الغرض اسلامی احکام کے اجراء اور اظہار کا مفہوم یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ اسلام کو حاصل ہو قانون سازی اس کے اصولوں کے مطابق ہو۔ فوجداری اور دیوانی کے مقدمات اسلامی تعلیمات کی روشنی میں طے پاتے ہوں۔ حدود اور تعزیرات اسلام کے نافذ ہوں، سرحدوں کی حفاظت اسلامی مصالح کے مطابق اسلامی طریق پر ہو۔

اس حقیقت نفس الامری کے ظاہر ہونے کے بعد ہم بلا کسی دغدغا اور خدشہ کے کہہ سکتے ہیں کہ:

① وہ ملک جس میں مسلمان شریک حکومت ہیں لیکن اس کے دستور اور قانون کی بنیاد کتاب وسنت نہیں ہے۔

② وہ ملک جہاں مسلمان شریک حکومت نہیں ہیں اور دستور اور قانون کی بنیاد کتاب وسنت بھی نہیں ہے البتہ انھیں کچھ مذہبی آزادی حاصل ہے۔

یہ دونوں قسمیں قطعاً دارالاسلام نہیں ہوسکتیں کیوں کہ جیسا کہ اوپر ہم نے بتایا ہے کسی ملک کے دارالاسلام ہونے کے لئے محض مسلمانوں کا شریک حکومت ہونا یا زیر سایہ کفر مطلق تھوڑی مذہبی آزادی کا حاصل ہونا کسی طرح کافی نہیں ہے۔ آج جو لوگ اس طرح کے ممالک کو دارالاسلام ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ یا تو جان بوجھ کر اپنی خاص حیثیات کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک حقیقت کو چھپا رہے ہیں یا وہ اُمت مسلمہ کو دوسری قوموں کے مثل نری ایک قوم اور اسلام کو اس کا ایک قومی مذہب سمجھتے ہیں اور پھر انھیں کتب فقہ میں غلبۂ مسلمین اور استیلاء کے الفاظ سے دھوکا ہو رہا ہے حالانکہ مسلمانوں کا نرا غلبہ اسلام کی نظر میں انتہائی قبیح اور عظیم منکر ہے واقعہ یہ ہے کہ ائمہ اور فقہاء کے دور میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ مسلمان کہیں غالب ہوں اور وہاں مبنی بر کفر و شرک احکام جاری ہوں اور اسلامی احکام اپنے وجود اور بقاء کے لئے کفر کی اجازت کے محتاج ہوں۔

دو شدید غلط فہمیاں

① تعجب ہے کہ جو حکومتیں لادینی بنیادوں پر مبنی ہیں اور اپنے کو اسلامی تو کجا، مذہبی کہنا تک گوارا نہیں کرتیں بلکہ مذہبی ہونے کی بات ہی ان کے متعلق کوئی کہہ دے تو یہ سب سے بڑی تہمت سمجھتی ہیں ان کو کچھ لوگ دارالاسلام کہنے پر مصر ہیں کہ وہاں جمعہ اور عیدین کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور دلیل میں اس قسم کی فقہی عبارتیں پیش کرتے ہیں جو انتہائی ناقص مطالعہ کی دلیل ہے۔

ودار الحرب تصير دار الاسلام باجراء احكام الاسلام فيها كجمعة و عيدين وان بقي فيها كافر اصلي وان لم تتصل بدار الاسلام. (در مختار، جلد۳، ص:۳۷۷)

ترجمہ: دارالحرب میں اسلامی احکام مثلاً ''جمعہ وعیدین'' جاری کرنے سے دارالحرب دارالاسلام بن جاتا ہے اگر چہ اس میں کوئی اصلی کافر باقی ہو اور اگر چہ دارالاسلام سے متصل نہ ہو۔

اس عبارت کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے یہ پس منظر جان لینا ضروری ہے کہ جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے لئے ایک اہم شرط سلطان یا نائب سلطان کا ہونا بھی ہے، دارالحرب میں سلطان کے وجود کا سوال ہی کیا ہے اس لئے دار الحرب میں جمعہ وعیدین کی نمازیں نہیں قائم کی جاتیں، پس اس عبارت میں بتایا جارہا ہے کہ جب کسی دارالحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے اور سلطان المسلمین احکام اسلام جاری کرے مثلاً جمعہ اور عیدین کی نمازیں قائم کرے تو وہ دارالحرب دارالاسلام بن جائے گا۔

واضح رہنا چاہئے کہ ''جمعہ وعیدین'' شرح کے الفاظ ہیں، جن کے ذریعہ اجراء احکام کی مثال دی گئی ہے یہ دونوں نمازیں اجراء احکام کی مثال اس لئے بن جاتی ہیں کہ ان کے قیام کے لئے جیسا کہ اوپر کہا گیا سلطان کا ہونا شرط ہے اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد یہ بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ محض جمعہ اور عیدین کا قیام دارالاسلام کی علامت نہیں ہے، بلکہ اجراء احکام جن کا ایک جزء جمعہ وعیدین بھی ہے دارالاسلام کی علامت ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ لادینی حکومتوں میں جمعہ اور عیدین کے قیام کی نوعیت یہ ہے کہ سلطان نہ ہونے کے باوجود بس تاویلاً علماء نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ ایسی صورت میں جمعہ اور عیدین کو اجراء احکام کی علامت قرار دے دینا کیونکر درست ہوسکتا ہے، لہٰذا اس کو دارالاسلام کی علامت بنا دینا صریح غلطی ہوگی۔

(۲) لان الموضع الذی لايا من فيه المسلمون جملة دار الحرب فان دار الاسلام اسم للموضع الذی يكون تحت يد المسلمين وعلامة ذلك ان يامن فيه المسلمون. (شرح السیر الکبیر، جلد۳، ص:۸۱)

ترجمہ: کیونکہ وہ جگہ جہاں مسلمان مامون نہ ہوں دارالحرب کے علاقہ سے ہوتی ہے اس لئے کہ دارالاسلام اس جگہ کا نام ہے جو مسلمانوں کے زیر اقتدار ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ مسلمان وہاں مامون ہوں۔

اس طرح کی عبارتوں سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ دارالاسلام کی ایک علامت مسلمانوں کا مامون ہونا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے اور یہ ایک ایسی صفت ہے جو کسی علاقہ کے دارالاسلام ہونے کا لازمی نتیجہ ہے لیکن اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جہاں مسلمان مامون ہوں وہ لازماً دارالاسلام بن جائے آخر دارالحرب میں بھی تو مسلمان بحیثیت مستامن جاتا ہے اور وہ مامون ہوتا ہے مگر اس قسم کی عبارتوں کا سہارا

لے کرلا دینی حکومتوں کے کاسہ لیس کبھی کبھی یہ دعویٰ کر بیٹھتے ہیں کہ فلاں جگہ مسلمان امن وامان سے ہیں اس لئے وہ ملک دارالاسلام ہے حالانکہ کتب فقہ میں ان مقامات پر کسی خاص صورت حال کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے دارالاسلام اوردارالحرب کی بعض علامتوں کا ذکر ہوتا ہے جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ چیز جہاں پائی جائے گی وہ لازماً دارالاسلام ہوگا۔ یہ استدلال بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ فلاں شخص مسلمان ہے کیونکہ سچ بولتا ہے لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ ہر سچ بولنے والا مسلمان ہو، ایک مشرک بھی تو سچ بول سکتا ہے ؟!

مسئلہ یہ ہے کہ زمانہ جنگ میں اسلامی لشکر ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں اگر چہ اب کفّار کا تسلط نہیں ہے لیکن مسلمان بھی وہاں اپنی پوزیشن پوری طرح مضبوط نہیں کر پائے ہیں اور انھیں بھی ہر وقت اندیشہ ہے کہ دشمن کب نہ حملہ آور ہوجائے۔ بتایا گیا کہ اس مقام سے اسلامی لشکر جو کچھ لائے گا غنیمت ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ وہ مقام ابھی دارالاسلام کا علاقہ نہ قرار پایا ہے اور کیوں قرار نہ پایا ہے اس کی وجہ مذکورہ عبارت میں بتائی گئی ہے کہ دارالاسلام کی ایک لازمی صفت یعنی مسلمانوں کا مامون ہونا ناپید ہے۔ واضح رہے کہ دارالاسلام کے لئے امن لازم ہے مگر امن کے لئے دارالاسلام کا ہونا لازم نہیں ہے۔

علی الاطلاق امان کی بحث

کسی غیر مسلم اسٹیٹ ''جو کبھی دارالاسلام رہ چکا ہے'' میں اگر مسلمان امن سے ہیں تو وہ غیر مسلم اسٹیٹ بھی دارالاسلام ہے یا دارالاسلام کے حکم میں ہے؟ اس کے ثبوت میں بدائع الصنائع کی اس عبارت کو پیش کیا جاتا ہے۔

ان الامان ان کان للمسلمین فیھا علی الاطلاق والخوف للکفرۃ علی الاطلاق فھی دارالاسلام وان کان الامان فیھا للکفرۃ علی الاطلاق والخوف للمسلمین علی الاطلاق فھی دار الکفر ۔ (الجزء السابع، صفحہ:۱۳۱)

ترجمہ: بلاشبہ اگر امان اس میں علی الاطلاق مسلمانوں کے لئے ہے اور خوف علی الاطلاق کفار کے لئے ہے تو یہ دارالاسلام ہے۔

اور اگر امان علی الاطلاق کفار کے لیے اور خوف مسلمانوں کے لیے ہے تو یہ دارالکفر ہے۔

صاحب بدائع نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کی توجیہ کرتے ہوئے یہ احتمال دکھایا ہے کہ دارالاسلام اور دارالکفر کی ترکیب اضافی میں اسلام اور کفر سے مراد عین اسلام اور عین کفر نہ ہو بلکہ ان دونوں کے نتائج یعنی امان اور خوف مراد ہوں۔ پھر اسی احتمال کی بنیاد پر مذکورہ بالا بات کہی ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی زبردست غلطی یہ کی جارہی ہے کہ کچھ لوگوں کے خیال میں یہ بات کسی غیر مسلم اسٹیٹ

کے بارے میں کہی جارہی ہے مگر یہ انتہائی مضحکہ خیز بات ہے اگر کسی علاقہ پر اہل کفر کا اقتدار پوری طرح جم گیا ہے تو پھر یہ بحث ہی کیا رہ جاتی ہے کہ وہ دار الاسلام ہے یا دار الکفر، ہاں یہ سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی علاقہ پر ہر دو فریق میں سے کسی کا بھی اقتدار اور قبضہ مکمل نہ کہا جا سکتا ہو۔

دوسری غلطی علی الاطلاق امان اور خوف کے مفہوم کو متعین کرنے میں کی جاتی ہے۔ صاحب بدائع کے اگلے ہی الفاظ سے ان کا مفہوم متعین کیا جا سکتا ہے۔

فما تقع الحاجة للمسلمین الی الاستیمان بقی الامن الثابت فیها علی الاطلاق فلا تصیر دار الکفر۔

ترجمہ: پس جب تک مسلمانوں کے لئے (ان سے نئے سرے سے) امن لینے کی ضرورت نہ پڑے اس میں ثابت شدہ امن علی الاطلاق باقی رہے گا اور وہ دار الکفر نہ ہوگا۔

اس کا کھلا مفہوم یہ ہے کہ اس علاقہ پر مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو اور کوئی دوسرا اقتدار نہ آیا ہو کہ اس سے نئے سرے سے امن حاصل کرنے کی ضرورت پڑے۔ نئے سرے سے امان حاصل کرنے کی ضرورت پڑتی ہی اس وقت ہے جب کہ ایک اقتدار ختم ہو کر دوسرا اقتدار آتا ہے اور شہریت کے لیے نئی بنیادیں اور نئے اصول قائم کئے جاتے ہیں۔

پھر آگے کہتے ہیں دار الاسلام میں مسلمانوں کو جو امن حاصل ہوتا ہے وہ علی الاطلاق ہے اور کفّار کو حاصل شدہ امان علی الاطلاق نہیں بلکہ عقد ذمہ اور استیمان کی بناء ہوتا ہے۔

وهو ثبوت الامن فیها علی الاطلاق للمسلمین وانما یثبت للکفرة بعارض الذمة والاستیمان۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ کسی کے لئے امان علی الاطلاق ہونے کے معنی ہیں کہ اس کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے اور اقتدار اعلیٰ کے بغیر جو امان ملتا ہے وہ امان علی الاطلاق نہیں ہے۔

دار الحرب کی تعریف

دار الاسلام کی تعریف اور خصوصیت معلوم کرنے کے بعد دار الحرب کا ایک ہلکا تصور اور خاکہ آپ کے ذہن میں آ گیا ہوگا اب اسی خاکہ میں ہم رنگ بھرنا چاہتے ہیں۔

دار الحرب وہ ملک ہے جہاں شرک فتنہ بننے کی پوزیشن میں موجود ہو۔ اور دین کل کا کل اللہ کے لئے نہ ہو۔ کفر وشرک کی عملداری اور حکمرانی ہو اور حلت اور حرمت کے اختیارات اہل کفر کو حاصل ہوں۔ اس لئے کہ غیر

مسلمین کے زیر اقتدار کسی ملک کے مستقل بالذات قابل جنگ ہونے کے یہی اسباب قرآن میں بتائے گئے ہیں۔ان آیات پر دوبارہ غور فرمایئے تو یہ حقیقت منکشف ہوگی۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال:۲۹)

ترجمہ: ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنۂ شرک ختم ہوجائے اور دین کل کا کل اللہ کے لئے ہوکر رہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (التوبۃ:۲۹)

ترجمہ: اہل کتاب میں سے ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اللہ اور رسول کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیز کو حرام نہیں کرتے اور دین حق کی پیروی نہیں کرتے۔

قرآن کی روشنی میں دارالحرب کی جو تعریف ہم نے اوپر بیان کی ہے اس میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جہاں دارالحرب کا ایک رُخ کفر و شرک کی عملداری اور حکمرانی ہے وہیں اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اسلام کو بالا دستی حاصل نہ ہو اور اسلامی احکام جاری اور نافذ نہ ہوں۔یہی وجہ ہے کہ وہ معاہد ملک جس سے مسلمان اس شرط کے ساتھ جزیہ لے رہے ہوں کہ وہاں اسلامی احکام جاری نہ کئے جائیں گے اس کو بھی دارالحرب قرار دیا گیا ہے۔اس کے ثبوت کے لئے چند سطور پہلے نقل کردہ شرح السیر الکبیر کی یہ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

''اور جب اہل حرب کے داروں میں سے کسی دار کے باشندوں سے مسلمانوں نے اس شرط کے ساتھ صلح کرلی کہ وہ ہر سال مسلمانوں کو ایک متعین شئ اس شرط پر دیں گے کہ مسلمان اپنے قوانین ان پر جاری نہ کریں گے تو یہ دارالحرب ہوگا کیونکہ کوئی دار، دارالاسلام اس وقت بنتا ہے جبکہ اس میں مسلمانوں کا قانون جاری کیا جائے اور مسلمانوں کا قانون جاری نہیں ہے اس لئے یہ دارالحرب ہوگا۔''

علاوہ ازیں دارالاسلام کی تعریف اور خصوصیت سے بھی دارالحرب کی وہی تصویر ذہن میں آتی ہے جو اوپر ہم نے پیش کی ہے۔اسی بات کی طرف عالمگیری نے صاحبین اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف بیان کرتے ہوئے صاحبین کی رائے ذکر کرنے کے بعد "**وھو القیاس**" یہی قیاس کا تقاضا ہے کے الفاظ کے ذریعہ اشارہ کیا ہے جس طرح دارالاسلام کے لئے بالاتفاق ایک ہی شرط ہے اور وہ یہ کہ احکام کفر کا اظہار اور اجراء ہو اور امام صاحب کے نزدیک اس شرط کے ساتھ دو اور بھی شرطیں ہیں۔اس اختلاف کی صحیح نوعیت سمجھنے ہی پر حقیقت کا سمجھنا بڑی حد تک منحصر ہے۔اس لئے اس پر ہم ذرا تفصیلی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

پہلے اختلاف کو اصلی لفظوں میں دیکھئے:

قال محمد في الزيادات انما تصير دار الاسلام دارالحرب عند ابي حنيفة بشرائط ثلاث احدها اجراء احكام الكفار على سبيل الاشتهار وان لا يحكم فيها بحكم الاسلام والثاني ان تكون متصلة بدار الحرب لا يتخلل بينهما بلدة من بلاد الاسلام والثالث لا يبقى فيها مومن ولا ذمي امنا بامانه الأول الذي كان ثابتا قبل استيلاء الكفار للمسلم باسلامه وللذمي بعقد الذمة وصورة المسئلة على ثلاثة اوجه اما ان يغلب اهل الحرب على دار من دورنا وارتد اهل مصر وغلبوا واجروا احكام الكفر وانقض اهل الذمة العهد وتغلبوا على دارهم ففى كل من هذه الصورة لا تصير دار الحرب الا بثلاث شرائط وقال ابو يوسف ومحمد بشرط واحد لا غير وهو اظهار احكام الكفر وهو القياس. (عالمگیری جلد۳،ص:۱۴۶)

ترجمہ: امام محمدؒ نے زیادات میں کہاہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دارالاسلام تین شرطوں سے دارالحرب بنتا ہے۔

اول یہ کہ احکام کفار علی الاعلان جاری ہوں اور اسلامی حکم کے مطابق فیصلہ نہ کیا جائے۔

دوم یہ کہ وہ دارالحرب سے ملا ہوا ہو، علاقہ دارالاسلام کا کوئی شہر بیچ میں نہ ہو۔

سوم یہ کہ اس میں کوئی مؤمن اور ذمی اس پہلی امان سے مامون نہ ہو جو غلبہ کفار سے پہلے مسلمان کو اس کے اسلام کی وجہ سے اور ذمی کو عقد ذمہ کی بناء پر حاصل تھی اور مسئلہ کی تین صورتیں ہوں گی:

① اہل الحرب ہمارے کسی دار پر غالب ہوجائیں۔

② کسی شہر کے باشندے مرتد ہوجائیں اور غالب ہوکر احکام کفر جاری کریں۔

③ ذمی عہد کوتوڑ دیں اور اپنے ملک پر تسلط پاجائیں۔

پس ان تینوں صورتوں میں دارالاسلام دارالحرب نہ بنے گا۔ مگر تین شرطوں کے ساتھ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے کہا صرف ایک شرط سے، اور وہ ہے احکام کفر کا غلبہ، اور یہی قیاس کا تقاضا ہے۔

واختلفوا فى دار الاسلام انها بماذا تصير دار الكفر قال ابو حنيفة انها لا تصير دار الكفر الا بثلاث شرائط احدها ظهور احكام الكفر فيها والثاني ان تكون متاخمة لدار الكفر والثالث ان لا يبقى فيها مسلم ولا ذمى امناً بالامان الأول وهو امان المسلمين وقال ابويوسف و محمد رحمهما الله انها تصير دار الكفر بظهور احكام الكفر فيها. (بدائع الصنائع الجزء السابع، صفحہ:۱۳۷)

ترجمہ: اور انھوں نے دارالاسلام کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کس چیز سے وہ دارالکفر بن جائے گا امام ابوحنیفہ نے کہا دارالاسلام دارالکفر تین شرطوں سے بنتا ہے۔

اول یہ کہ اس میں احکام کفــر کا غلبہ ہو۔

دوم یہ کہ دارالکفر سے ملا ہو۔

اور سوم یہ کہ اس میں کوئی مسلمان اور ذمی سابق امان کے ساتھ مامون نہ ہو اور وہ سابق امان مسلمانوں کی امان ہے۔

امام ابو یوسف و امام محمد رحمہا اللہ نے کہا کہ دارالاسلام احکام کفر کے غلبہ سے دارالکفر بن جاتا ہے۔

نوٹ: امام اعظمؒ کے نزدیک کسی دارالاسلام کے دارالحرب بن جانے کیلئے تیسری شرط امان سابق کے ساتھ مسلم اور ذمی کا مامون نہ ہونا ہے۔ حال میں اس موضوع پر بعض لکھنے والوں نے کہا ہے کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جس طرح پہلے ان کی جان و مال محفوظ تھا اب محفوظ نہ ہو اور پھر کہتے ہیں کہ دیکھو ہمارے ملک میں مسلمانوں کی جان و مال دستوری اور قانونی طور سے بھی محفوظ ہے اور عملی طور سے بھی۔ اس لئے یہ دارالحرب نہیں ہوسکتا۔ لیکن درحقیقت امان سابق کے نہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان کو بحیثیت مسلمان اور ذمی کو بحیثیت ذمی جو امان حاصل تھا وہ ختم ہو جائے۔ دوسرے لفظوں میں اہل اسلام کا اقتدار ختم ہو چکا ہو اس کے لئے عالمگیری اور بدائع الصنائع دونوں کے خط کشیدہ الفاظ کھلا ہوا قرینہ ہیں۔ کیوں کہ مسلمان کو اس کے اسلام اور ذمّی کو عقد ذمہ کی بناء پر امان ملنے کا مطلب یہ ہے کہ اہل اسلام کا اقتدار ابھی موجود ہے بدائع الصنائع کے یہ الفاظ تو اس مفہوم کو بالکل قطعی بنا دیتے ہیں۔

لکن لا تظهر احکام الکفر الا عند وجود هذين الشرطين اعنی المتاخمة وزوال الامان الاول لانها لا تظهر الا بالمنعة ولا منعة الا بهما والله سبحانه تعالیٰ اعلم.

ترجمہ: لیکن احکام کفر کا ظہور ان دو شرطوں یعنی دارالکفر سے اتصال اور امان اول کے زوال کے بغیر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ان کا ظہور نہیں ہوگا مگر قوت سے، اور قوت نہیں ہوگی مگر ان دونوں شرطوں کے ساتھ۔

امان اول کے ساتھ مسلمان اور ذمی کے باقی نہ رہنے کی تشریح جامع الفصولین، صفحہ: ۱۱، میں اس طرح ملتی ہے: ای لا یبقی أمنا الا بامان المشرکین.

ایک عجیب وغریب استدلال

آگے بڑھنے سے پہلے امام صاحب اور صاحبین کے اختلاف کو ختم کرنے کے لئے ایک عجیب وغریب

استدلال بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

''لیکن اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ صرف نزاع لفظی ہے کیوں کہ صاحبین محض اظہار احکام شرک کو دارالحرب ہونے کی بنیاد قرار دیتے ہیں تو یہ مطلق نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں ہر شخص کو مذہب کی آزادی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ مسلمان بادشاہوں کے عہد میں ہندوستان میں بھی تھی اور اس حد تک تھی کہ اورنگ زیب عالمگیر ایسے متقشف اور متصلب فی الدین فرمانروا کے خزانہ شاہی سے مندروں کے لئے باقاعدہ گھی اور تیل مہیا کیا جاتا تھا۔ اور مندروں کے لئے پجاریوں اور پنڈتوں کے ماہانہ وظیفے اور روزینے مقرر تھے چند سال ہوئے صرف ایک شہر اجین سے عالمگیر کے ایسے چالیس فرمان دستیاب ہوئے تھے جن میں وہاں کے مہنت اور پنڈتوں کو جاگیریں عطا کی گئی تھیں پس احکام شرک کا ظہور اسلامی حکومت کے ماتحت دارالاسلام میں بھی ہوسکتا ہے اور ہوتا رہا ہے تو احکام شرک کا مطلقاً اظہار دارالحرب ہونے کی بنیاد کیونکر قرار پا سکتا ہے اس بناء پر لامحالہ یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اظہار احکام شرک سے صاحبین کی مراد اہل شرک کا قہر وغلبہ اور ایسا استیلاء اور استبداد ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی شعائر پر قائم رہنے اور مذہب کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی آزادی نہ رہے اور وہ اس معاملہ میں مقہور ومغلوب ہوجائیں۔ امام صاحبؒ نے اظہار احکام شرک جو ان میں اور صاحبین میں مشترک شرط ہے اس کے علاوہ باقی جو دو شرطیں اور مقرر کی ہیں وہ درحقیقت اسی استیلاء یا قہر وغلبہ اہل شرک کی علامتیں ہیں نہ کہ مستقل کوئی دو جُداگانہ چیزیں۔ اس تجزیہ کے بعد یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ امام صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ دراصل اسی ایک چیز کی توضیح اور تشریح ہے جسے صاحبین نے ایک جملہ میں بیان کردیا ہے۔''

(برہان، اگست ۲۲، صفحہ:۷۶)

① اس استدلال میں ایک زبردست خامی یہ ہے کہ ایک مسلمان بادشاہ کے ایک غیر شرعی فعل کو شرعی بنیاد کی حیثیت میں پیش کر کے نتیجہ نکالا گیا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ مندروں کے لئے گھی اور تیل مہیا کرنے کو کس نے جائز قرار دیا ہے؟ اس میں کوئی نص وارد ہوئی ہے؟ کسی شرعی اصول کا اقتضاء ہے؟ یا اسلاف میں سے کسی مفتی نے اس کا فتویٰ دیا ہے؟ اور کسی نے جواز کا فتوی دیا بھی ہو تو بھی صاحبین کی ایک واضح اور غیر مبہم رائے میں تاویل کرنے کی گنجائش کہاں سے نکلتی ہے ؟؟

دوسری غلطی احکام شرک کے اظہار کے مفہوم کو سمجھنے میں کی گئی ہے۔ اظہار کا مطلب حکم پر عمل کرنا ہو تو ہر دارالاسلام کو دارالحرب کہا جاسکتا ہے کیوں کہ دارالاسلام میں ذمیوں کو نجی دائرہ میں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ جیسے کہ آگے آرہا ہے۔ فی الواقع مذہب پر عمل کی اجازت کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ دارالاسلام

میں احکام شرک کا ظہور ہوتا ہے۔نجی دائرہ کے علاوہ شرکیات کی مطلق اجازت نہیں ہوتی۔ چنانچہ معاملات، حدود اور تعزیرات میں مسلم اور ذمی دونوں یکساں اسلامی احکام کے پابند ہوتے ہیں اور یہ تو ایک بدیہی بات ہے کہ ایک ملک میں بیک وقت دو متضاد قسم کے احکام کا ظہور نہیں ہوسکتا ہے۔

لان الذمی ملتزم احکام الاسلام فیما یرجع الی المعاملات فانه من اهل دارنا فیقام علیه الحدود کلها الا حد الخمر فانه لا یعتقد حرمة شربه الخ.

(شرح السیر الکبیر، جلد۱، صفحہ:۲۰۷)

ترجمہ: کیوں کہ ذمی اسلامی احکام کا ان چیزوں میں پابند ہے جن کا تعلق معاملات سے ہے اس لئے کہ وہ ہمارے دار کا باشندہ ہے پس اس پر تمام حدود قائم کئے جائیں گے باستثناء حد خمر، کہ وہ اس کی حرمت کا اعتقاد نہیں رکھتا۔

اختلاف کی صحیح نوعیت

امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف درحقیقت دار الحرب کی تعریف اور خصوصیت میں نہیں ہے کیوں کہ یہ ایک ایسی مسلم اور بدیہی بات ہے جس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کہ جہاں اسلام کی عملداری اور حکمرانی ہو وہ دار الاسلام ہے اور جہاں کفر و شرک کی عملداری اور حکمرانی ہو وہ دار الحرب ہے۔ یہ چیز اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ یہاں دو سوال بالکل الگ الگ ہیں۔ ایک سوال تو یہ کہ دار الحرب کی تعریف اور خصوصیت کیا ہے؟ اور دوسرا سوال یہ کہ دار الاسلام کے کسی علاقہ پر دار الحرب کا حکم کب لگایا جائے گا؟ مثلاً کسی دار الاسلام پر مشرکین نے حملہ کیا اور دار الاسلام کے کسی حصہ پر قبضہ کر لیا اس وقت یہ سوال اٹھتا ہے کہ اس حصہ کو دار الحرب قرار دیا جائے یا سابق حکم دار الاسلام کا لگایا جائے گا۔ اس لئے کہ اسی فیصلہ پر بہت سارے فیصلوں کی بنیاد ہے۔

اس بات کو ٹھیک طور سے نہ سمجھنے کا یہ نتیجہ ہے کہ جو ملک زمان تاریخ میں کبھی بھی دار الاسلام رہ چکے ہیں بعض لوگ ان کا ایک مستقل حکم بتاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ایسے ملک میں جب تک مسلمانوں کی جان مال محفوظ ہے وہ دار الحرب نہیں ہوسکتا، کوئی کہتا ہے کہ جب تک مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے اس وقت تک وہ ملک دار الحرب نہیں ہوگا۔ حالانکہ کسی ملک پر ایک مرتبہ اہل اسلام کے اقتدار کا ہوجانا کوئی ایسی شرعی بنیاد نہیں ہے جس کا لحاظ قیامت تک رکھنا ضروری ہو۔ اہل اسلام ہوں یا اہل کفر پرانے اقتدار کے مکمل طریقہ سے خاتمہ کے بعد جس کا بھی مکمل قبضہ ہوجائے اعتبار اسی کا ہوگا۔ مسلمان کا مال کفّار نے چھین لیا اور دار الحرب میں اٹھالے گئے اب مسلمان کی ملکیت کا اعتبار بالکل ختم ہوگیا ہاں دار الحرب میں پہونچنے سے پہلے ان کی ملکیت نہیں مانی جائے گی کہ ابھی ان کا قبضہ مکمل نہیں ہوا ہے۔

امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف دوسرے سوال کے جواب میں ہے نفس دارالحرب کی خصوصیت اور تعریف میں نہیں۔ عالمگیری کی جو عبارت ہم نے نقل کی ہے اس میں دیکھو کس طرح ان تین ہی صورتوں میں اختلاف کو محصور کر دیا ہے:

① اہل الحرب ہمارے کسی دار پر غالب ہو جائیں۔

② کسی شہر کے باشندے مرتد ہو جائیں اور غالب ہو کر احکام کفر جاری کریں۔

③ ذمی عہد کو توڑ دیں اور اپنے ملک پر تسلط حاصل کر لیں۔

دوسری کتب فقہ میں بھی اس اختلاف کو جن موقعوں پر ذکر کیا گیا ہے ان کو دیکھنے سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے اور صاحب بدائع الصنائع نے تو اس کی صراحت کر دی ہے:

وقیاس هذا الاختلاف فی ارض لاهل الاسلام ظهر علیه المشرکون و اظهروا فیها احکام الکفر او کان اهلها اهل ذمة فنقضوا الذمة واظهروا احکام الشرك هل تصیر دار الحرب فهو علی ماذکرنا من الاختلاف۔

ترجمہ: اس اختلاف کا قیاس اہل اسلام کی ایک ایسی زمین کے بارے میں ہے جس پر مشرکین غالب ہو گئے ہوں اور اس میں احکام کفر نافذ کر دیا ہو یا اس زمین کے باشندے ذمی تھے پس ذمہ کو انھوں نے توڑ دیا اور احکام شرک نافذ کر دیا ہو۔ کیا وہ زمین دارالحرب ہو گی؟ پس یہ مسئلہ ہمارے ذکر کردہ اختلاف کے مطابق ہے۔

گو یا صاحبین دونوں سوالوں کے جواب میں ایک ہی بات کہتے ہیں اور امام صاحب نے دوسرے سوال کے جواب میں دو مزید شرطوں کا اضافہ کر دیا ہے اب یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر امام صاحبؒ نے قیاس کے خلاف دو شرطوں کا اضافہ کیوں کیا اور یہ شرطیں آیا دارالحرب کی ماہیت اور خصوصیت میں داخل ہیں یا کچھ دوسرے اسباب کی بناء پر ہیں؟

اس سلسلے میں ہم کہیں گے کہ جس صورت حال سے متعلق یہ اختلاف ہے اس میں حالات بدلتے رہتے ہیں اور کسی حالت کو قرار نہیں ہوتا، اگر ایک علاقہ پر صبح کو مسلمانوں کا قبضہ ہے تو عین ممکن ہے کہ شام کو فریق ثانی کا تسلط ہو جائے۔ فوجیں ہٹتی بڑھتی رہتی ہیں۔ امام صاحبؒ کی شرطوں کی غرض یہ ہے کہ ایسی غیر اطمینانی حالت میں ہر علاقہ پر اس کا سابق ہی حکم لگے گا وقتی اور عارضی قبضہ اور تسلط کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ علامہ سرخسیؒ نے امام صاحبؒ کی دو مزید شرطوں کی جو وضاحت کی ہے اس کا ماحصل ہم پیش کرتے ہیں۔

امام صاحبؒ نے پوری قوت اور غلبہ ① کا اعتبار کیا ہے اور یہ چیز ان تین شرطوں سے حاصل ہوگی کیوں کہ وہ علاقہ اگر کسی دارالحرب سے متصل نہیں ہے تو گو یا وہ ہر جانب سے مسلمانوں کے احاطہ قدرت میں ہے، اسی

طرح اگر کسی مسلمان اور ذمی کو سابقہ بنیاد اور علت پر امن حاصل ہے تو یہ کفار کے عدم قہر پر دلیل ہوگی۔ علاوہ ازیں امام صاحبؒ کا یہ ایک اصول ہے کہ جب کسی علت پر کوئی حکم لگایا جاتا ہے تو اس علت کا ادنی اثر بھی جب تک باقی رہتا ہے وہ حکم مرتفع نہ ہوگا مثلاً کسی آبادی کو اول اول آباد کرنے والوں میں سے جب تک ایک شخص بھی وہاں ہوگا وہ آبادی انھیں کی جانب منسوب ہوگی۔ دوسرے باشندوں اور خریدنے والوں کا اعتبار نہ ہوگا کھجور وغیرہ کا رس اپنی اصلی حالت سے بدل جانے کے بعد جب تک جھاگ نہ پھینک دے اس وقت تک اس پر خمر ہونے کا حکم نہ لگایا جائے گا اسی طرح جو ملک چاروں طرف سے دارالاسلام سے گھرا ہوا ہو اس پر دارالحرب ہونے کا حکم بالکل ویسے ہی نہ لگائیں گے جس طرح احکام شرک کے عدم اظہار اور اجراء میں دارالحرب کا حکم نہیں لگتا کہ ان کا غلبہ وقتی اور عارضی متصور ہوگا۔ (کتاب المبسوط، جز عاشر، صفحہ: ۱۱۴)

بعض کتب فقہ میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ امام صاحب کی شرائط میں اس اصول کا بھی لحاظ ہے کہ الاسلام یعلو ولا یعلی ''اسلام غالب ہوکر رہتا ہے مغلوب نہیں'' اور یہ بالکل صحیح ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعینہ ایک جیسے حالات میں دارالاسلام کے لئے صرف ایک شرط اور دارالحرب کے لئے تین شرطیں۔

''دارالاسلام ان تین شرطوں کے بغیر دارالحرب نہیں بنتا:

(۱) اہل شرک کے احکام کا اجراء۔

(۲) دارالحرب سے اتصال۔

(۳) پہلی امان کے ساتھ کسی مسلم اور ذمی کا باقی نہ رہنا۔

اور دارالحرب ایک شرط سے دارالاسلام بن جائے گا اور وہ ہے اہل اسلام کے احکام کا اجراء، اگرچہ وہاں کوئی اصلی کافر باقی ہو اور وہ دارالاسلام سے متصل نہ ہو۔'' (متن درمختار، صفحہ: ۲۷۷)

دارالاسلام دارالحرب کب ہوگا؟

اس گفتگو سے ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ دارالاسلام اور دارالحرب کی اصل تعریف میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ جس طرح دارالاسلام کے لئے بس ایک شرط ہے احکام اسلامی کا اجراء۔ جس میں غلبہ مسلمین لازماً آہی جاتا ہے اسی طرح دارالحرب کے لئے بھی محض ایک شرط احکام کفر کا اجراء ہے جس میں غلبہ کفار لازماً شامل ہے اور امام صاحبؒ اور صاحبین کا اختلاف ایک خاص حالت سے متعلق ہے اور وہ اختلاف بھی کوئی بنیادی نہیں۔

اس حقیقی واقعہ کے ظاہر ہونے سے ان لوگوں کے استدلال کی کمزوری بالکل سامنے آجاتی ہے جو لوگ اس خاص حالت سے متعلق امام صاحبؒ کی شرطوں اور کتب فقہ میں ان کی تشریحات کو پیش کرکے یہ ثابت کرتے ہیں

کہ جب تک کسی ملک میں نماز، روزہ اور اسی طرح کی کچھ اور مذہبی آزادی حاصل ہے دارالحرب نہیں ہوسکتا، مگر ایک خاص حالت میں تو یہ بات صحیح ہے لیکن ہر حالت میں نہیں۔ اس لئے کہ جیسا کہ معلوم ہوا کہ دارالحرب کی اصل خصوصیت احکام کفر کا اجراء ہے اور دارالاسلام کے بعض آثار کا موجود ہونا کسی دار کے دارالحرب بن جانے میں مانع ہے تو صرف اس لئے کہ ان آثار کا موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ کفار کا غلبہ اور اقتدار ابھی پوری طرح مستحکم اور اٹل نہیں ہوا ہے اور اس کے لئے ابھی کشمکش جاری ہے۔

الغرض جب تک ان کے اقتدار کے مستقل اور مستحکم نہ ہونے کے آثار موجود ہیں اس وقت تک دارالحرب ہونے کا فیصلہ نہ کیا جائے گا اور اس پر سابق حکم دار الاسلام ہونے ہی کا لگایا جائے گا اور یہ اصول جس طرح دارالاسلام کے کسی علاقہ کو دارالحرب بننے نہیں دیتا، اسی طرح دارالحرب کے کسی علاقہ کو دارالاسلام بنانے میں بھی مانع ہے، چنانچہ کوئی مقام جو دارالحرب کا علاقہ رہا ہے لیکن اب اس میں کفار اور مسلمانوں دونوں کی یکساں پوزیشن ہوگئی اور کسی کو بھی کامل تسلط حاصل نہیں اور اس کمزور پوزیشن کی بناء پر دونوں کو یکساں اندیشہ لاحق ہوتو وہ مقام دارالاسلام نہ قرار دیا جائے گا اور مسلمان وہاں سے جو کچھ بھی حاصل کریں گے، وہ غنیمت میں شمار ہوگا۔

ولکن ھذہ البقاع کانت فی یداھل الحرب فلا تصیر دار الاسلام الا بانقطاع یداھل الحرب عنھا من کل وجہ وھذا لان ما کان ثابتا فانہ یبقی ببقاء بعض اثارہ. ولا یرتفع الا باعتراض معنی ھو مثلہ او فوقہ. (السیر الکبیر، جلد۳، ص:۸۱)

ترجمہ: اور لیکن یہ زمینیں اہل حرب کے قبضہ میں تھیں پس دارالاسلام نہ بنیں گی الاّ یہ کہ پورے طور سے اہلِ حرب کا قبضہ ختم ہوجائے اور یہ اس لئے کہ جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ اپنے بعض آثار کے باقی رہنے سے باقی رہتی ہے اور اس کا حکم مرتفع نہیں ہوتا الا یہ کہ کوئی ایسی چیز آجائے جو اس کے برابر ہو یا اس سے اونچی۔

اس پس منظر میں فقہ کی ان عبارتوں کو سمجھئے۔

ان دار الاسلام لا تصیر دار الحرب اذا بقی شي من احکام الاسلام وان زالت غلبۃ اھل الاسلام

ترجمہ: یعنی دارالاسلام اس وقت تک دارالحرب نہیں ہوسکتا جب تک اس میں اسلامی احکام میں سے کچھ بھی باقی ہو اگرچہ اہل اسلام کا غلبہ زائل ہوگیا ہو۔

ان دار الاسلام لا تصیر دار الحرب مالم یبطل جمیع ما بہ صارت دار الاسلام

ترجمہ: یعنی دارالاسلام اس وقت تک دارالحرب نہیں ہوسکتا جب تک وہ سب چیزیں فنا نہ ہوجائیں جن کے باعث وہ ملک دارالاسلام بنا تھا۔

اس قسم کی عبارتوں کو موقع ومحل اور پس منظر سے جدا کر کے یہ ثابت کرنے کے لئے دلیل میں پیش کرنا کہ مذہبی آزادی جس ملک میں ہو وہ دارالحرب نہیں ہوسکتا بہت بڑی ڈھٹائی ہے حالانکہ ان عبارتوں میں اسی صورت حال کا حکم بتایا گیا ہے جس میں امام صاحبؒ نے تین شرطیں لگائی ہیں۔ اس لئے مذہبی آزادی مانع دارالحرب صرف اس وقت ہوگی جبکہ وہ کفار کے استیلاء اور اقتدار کے نامکمل اور غیر مستحکم ہونے کی دلیل ہو۔ اسی طرح کسی ملک میں مسلمانوں کا مطلق مامون ہونا بھی اس کے دارالحرب بننے کی راہ میں حائل نہیں ہے، بلکہ سابق بنیاد پر ملا ہوا ایسا امن وامان مانع دارالحرب ہے جو کفار کے قہر وغلبہ کے غیر مستحکم اور عارضی ہونے کی علامت بن سکے، چنانچہ عالمگیری اور بدائع الصنائع کی پیچھے نقل کردہ عبارتوں میں "بامانه الاول"، "بالامان الاول" کے الفاظ سے اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

ظاہر ہے جب کسی ملک میں ایک مسلمان کی جان ومال اس بناء پر محفوظ ہے کہ وہ ایک مسلمان ہے اور ایک ذمی اس لئے محفوظ ہے کہ وہ ذمی ہے تو یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ کفار کے نئے اقتدار نے پرانے مسلم اقتدار کو ختم نہیں کیا ہے ورنہ کسی کافر کے ذمی ہونے کا سوال ہی کیا ہوتا۔ اسلامی اقتدار ختم ہونے کے بعد عقد ذمہ خود بخود ختم ہوجاتا ہے اور ایک مسلمان کو دوسری بہت ساری حیثیات سے بہت کچھ مل سکتا ہے لیکن مسلمان ہونے کی بناء پر کچھ نہیں ملتا۔ واضح رہنا چاہئے کہ دارالاسلام میں ایک مسلم کی ہر چیز محفوظ اس بنیاد پر ہوتی ہے کہ وہ مسلمان ہے اور مسلمان کی جان ومال، عزت، آبرو کو اسلام نے محترم ٹھہرایا ہے اور اگر کسی غیر اسلامی اسٹیٹ میں ایک مسلمان کو امان ملتی ہے تو اس بنیاد پر کہ اس کے ساتھ ایک عہد ہے یا وہ ملک کا ایک شہری ہے۔

اب یہ سمجھنا کچھ دشوار نہیں کہ کوئی ملک کسی زمانہ میں دارالاسلام رہا ہے لیکن پھر اس پر کفّار غالب ہوگئے اور سالہا سال انھوں نے حکومت کی، جس طرح چاہا اپنے اقتدار کو مستحکم بنالیا، جو چاہتے ہیں قانون بناتے ہیں جس کو چاہا جائز قرار دیا اور جس کو چاہا ممنوع ٹھہرایا اور دوسری طرف دارالاسلام یا تو بالکل ختم ہوگیا یا اس کی قوت ٹوٹ چکی ہے۔ ایسی حالت میں اہل ملک اپنے مصالح کے تحت مسلمان باشندوں کو بھی کچھ عبادات اور پرسنل لاء میں آزادی دے رہے ہیں تو وہاں یہ آزادی کیونکر دارالحرب ہونے میں مانع ہوگی۔ چنانچہ آگے ہم بتائیں گے کہ کسی بھی دارالحرب میں کوئی مسلمان مستامن بن کر جاسکتا ہے اور فقہاء اس کے لئے مستقل باب قائم کرتے ہیں اور مستامن سے متعلق احکام بیان فرماتے ہیں کہ اس کے لئے کیا جائز ہے اور کیا ناجائز۔

مشترکہ حکومت مانع دارالحرب نہیں

اگرچہ اوپر کی گفتگو سے مشترکہ حکومت کی حیثیت کھل کر سامنے آگئی ہے لیکن خاص طور سے اس مسئلہ پر

تھوڑا غور کر لیجئے۔

مشترکہ حکومت کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً مسلمانوں کو آبادی کے لحاظ سے حکومت میں نمائندگی دی جائے، ایسی شکل میں اگر مسلمان اقلیت میں ہوں تو ان کے غلبہ کا کوئی سوال نہیں اور اگر اکثریت میں ہیں اور پھر بھی غیر اسلامی بنیادوں پر حکومت بنائی گئی ہے تو یقیناً وہ نام اور تعداد کے اعتبار سے غالب ہوں گے۔

اسی طرح اگر جداگانہ انتخاب کا سسٹم نہیں ہے بلکہ مشترکہ ووٹنگ سے حکومت بنائی گئی ہے تو اس صورت میں مسلمان نام اور تعداد کے اعتبار سے غالب ہوسکتے ہیں اور مغلوب بھی لیکن ان تمام صورتوں میں مسلمان حقیقت کے اعتبار سے مغلوب قرار دیئے جائیں گے اس لئے کہ غیر دین کا غلبہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مغلوب ہیں اگر وہ غالب ہوتے تو ضرور دین کو بھی غلبہ حاصل ہوتا۔ ہاں اگر یہاں یہ کہا جائے کہ مسلمان غالب تو ہیں لیکن وہ غیر دینی نظام ہی کو مناسب اور بہتر سمجھتے ہیں اس لئے انھوں نے خود اس کو پسند کیا ہے اور اسے نافذ کیا ہے تو ہم کہیں گے کہ اس شکل کو مشترکہ حکومت میں شامل نہ کیجئے۔ یہ مسئلہ اس سوال کے تحت آتا ہے کہ جہاں مسلمانوں نے خود مختار ہونے کے باوجود غیر الٰہی نظام حکومت کو پسند کیا ہے اور اپنے ہاتھوں سے بت خانہ تعمیر کیا ہے اس ملک کی کیا حیثیت ہے۔ اس لئے اس مسئلہ کو ملتوی رکھئے۔

غرض یہ کہ مشترکہ حکومت کی جو ہیئت بھی بنے گی وہ لامحالہ دارالحرب ہی ہوگی کیوں کہ بہرصورت اس میں غیر اسلامی احکام نافذ ہوں گے اور اسلامی احکام کے ماسوا جو قوانین اور احکام بھی ہوں گے وہ احکام کفر ہی قرار پائیں گے۔ خواہ ان کے نام کچھ ہوں۔

امام ابوحنیفہؒ نے ایک خاص حالت میں دارالحرب کے لئے تین شرطیں لگائیں جن پر پہلے ہم بحث کر چکے ہیں۔ ان میں ایک شرط "احکام شرک کے اجراء" کی تشریح عالمگیری کے لفظوں میں کرنے کے بعد صاحبِ ردالمحتار نے اپنے ان لفظوں میں ایک نتیجہ نکالا ہے:

و ظاهره انه لو اجريت احكام المسلمين و احكام اهل الشرك لا تكون دار الحرب. (جلد۳، صفحہ:۳۷۷)

ترجمہ: اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر مسلمانوں اور اہل شرک دونوں کے احکام جاری ہیں تو وہ دارالحرب نہ ہوگا۔

ردالمحتار کے ان الفاظ میں دراصل اس علاقہ کا حکم بتایا گیا ہے جس پر قابض اور حکمران ہونے کا ہر دو فریق دعوی کر رہا ہو۔ اور مکمل اقتدار کسی کا نہ ہو لیکن ان الفاظ سے اس دور کے ایک ممتاز عالم نے مشترکہ حکومت کے دارالحرب نہ ہونے پر استدلال کیا ہے جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ان الفاظ کی

مراد کیا ہے اوران کا محل کیا ہے؟ ہم دریافت کرتے ہیں کہ مشترکہ حکومت کا مطلب آگ اور پانی کو ایک ظرف میں جمع کرنے کے علاوہ بھی کچھ ہوسکتا ہے؟! ایک ہی اسٹیٹ میں ایک طرف خدا کی حاکمیت کا تصور کارفرما ہو اور ساتھ ہی حاکمیت جمہور کا نظریہ بھی، کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ کو دستور و قانون کا ماخذ تسلیم کیا جائے اور جمہور کی مرضیات کو بھی۔

کیا ایسا ممکن ہے؟ کسی زانی کے لئے سنگسار کی سزا تجویز کی جائے اور کسی کے لئے زنا بالرضا کو جائز قرار دیا جائے۔ ایک چور کا ہاتھ کاٹ لیا جائے اور دوسرے کو چھ ماہ جیل میں مہمان رکھا جائے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ کیا اس کی کوئی نظیر پیش کی جاسکتی ہے۔؟!

حقیقت یہ ہے کہ سرے سے مشترکہ حکومت کا وجود ہی ایک امر محال ہے۔ آج جن حکومتوں کو مشترکہ حکومتیں کہا جاتا ہے وہ صحیح معنی میں کسی خاص نظریہ کے حاملین کی حکومتیں ہوتی ہیں۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ ان میں مختلف طبقوں، گروہوں اور قوموں کے افراد شامل ہوتے ہیں۔ لیکن مشترکہ حکومت کے نام پر عوام الناس کو بے وقوف بنایا جاتا ہے جن ملکوں میں مختلف قوموں کے چند افراد نے کمیونزم، سوشلزم اور سیکولرزم جیسے نظریات پر حکومتوں کی بنیاد رکھی ہے کیا یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ وہاں ان نظریات کو سب لوگوں نے قبول کرلیا ہے اور مثلاً وہاں کے تمام مسلمانوں نے اسلامی نظریات کے مقابلہ میں ان مادہ پرستانہ نظریات کو ترجیح دی ہے۔

دارالحرب سے جنگ

دارالحرب سے جنگ ضروری اور واجب ہے یہ وجوب کا حکم صرف تین صورتوں میں مرتفع ہوتا ہے:

(۱) اسلام قبول کرلیں۔

(۲) جزیہ دے کر اسلام کے زیرنگیں رہنا منظور کرلیں اور بحیثیت ذمی دارالاسلام کے شہری بن جائیں۔

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبۃ:۲۹)

(۳) مسلمانوں سے باقاعدہ ناجنگ معاہدہ ہوجائے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (الانفال:۶۱)

ترجمہ: یعنی اور اگر وہ مائل بہ صلح ہوں تو صلح کرلو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔

ان باتوں کو عالمگیری کے ایک جملہ میں بیان کردیا گیا ہے:

قتال الكفار الذين لم يسلموا وهم من مشركي العرب أولم يسلموا ولم يعطوا الجزية من غيرهم واجب وان لم يبدونا كذافي فتح القدير. (جلد۳،صفحہ:۱۱۹)

ترجمہ: ان کفار سے قتال کرنا واجب ہے جو ایمان نہ لائیں اور مشرکین عرب میں سے ہوں یا غیر عربی ہوں اور ایمان نہ لائیں اور جزیہ نہ دیں چاہے وہ ہم سے جنگ میں پہل نہ کریں۔ فتح القدیر میں ایسا ہی ہے۔

دارالعہد

اسلام قبول کرنے والے مسلمان ہوگئے اور جزیہ دینے والے دارالاسلام کے شہری بن گئے۔ اب سوال صرف معاہد لوگوں کا رہ گیا ہے کہ ان پر اور ان کے علاقہ پر کیا حکم لگایا جائے تو ایسے دارالحرب کو جس کے باشندوں کے ساتھ دارالاسلام کے سربراہ نے کوئی معاہدہ کرلیا ہو دارالعہد کہتے ہیں، معاہدہ کی وجہ سے ان کے ساتھ مدت معاہدہ میں جنگ نہیں کی جاسکتی اور نہ مسلمانوں کی جانب سے کوئی ایسی کارروائی ہوسکتی ہے جو غدر اور بے وفائی کے ہم معنی ہو، اس کے علاوہ دارالعہد کے سلسلہ میں سارے احکام وہی ہیں جو دارالحرب کے بارے میں ہیں اس لحاظ سے دارالعہد کوئی مستقل بالذات دار نہیں ہے بلکہ یہ بھی دارالحرب ہی ہے چنانچہ جس طرح دارالحرب میں سودی معاملہ جائز ہے اسی طرح دارالعہد میں بھی جائز ہے مثلاً کوئی مسلمان دارالعہد میں جاکر کفّار سے دو درہم کے بدلے ایک درہم بیچے تو کوئی حرج نہیں ہے اس کی علت شرح السیر الکبیر میں یہ بتائی گئی ہے۔

لان بالموادعة لم تصر دارهم دار الاسلام وانما يحرم على المسلمين اخذما لهم بغير طيب انفسهم لما فيه من غدر الموادعة فاذا استرضاهم بهذه المعاملة فقد انعدم معنى الغدر۔ (جلد۳، صفحہ:۲۸۸)

ترجمہ: کیوں کہ معاہدہ سے ان کا دار دارالاسلام نہیں بن گیا ان کا مال ان کی مرضی کے بغیر مسلمانوں کے لیے لینا صرف اس لئے حرام ہے کہ اس میں معاہدہ کی خلاف ورزی ہوجائے گی پس جب اس نے ان کو اس معاملہ میں راضی کرلیا تو غدر کا شائبہ ختم ہوگیا۔

کوئی مسلمان دارالعہد یا دارالحرب میں امان کے ساتھ جائے اور کفّار سے کسی شئی کی بیع ایک متعین مدت کے ساتھ کرے پھر اس کے بعد اس بات پر صلح ہوجائے کہ کفار ادائیگی جلدی کردیں وہ قیمت میں کچھ چھوڑ دے گا تو جائز ہے اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے۔

لان حرمة هذا التصرف فی دار الاسلام لمعنى الربوا من حيث ان فيه مبادلة وقد بينا ان الربوا يجوز بين المسلم والحربي في دار الحرب فيجوز هذه المعاملة. (ایضًا، جلد۳، ص:۳۲۹)

ترجمہ: کیوں کہ اس تصرف کی حرمت دارالاسلام میں ربوا کی وجہ سے ہے بنابریں کہ اس میں مبادلہ پایا جاتا ہے اور ہم واضح کرچکے ہیں کہ مسلم اور حربی کے درمیان دارالحرب میں ربوا جائز ہے پس یہ معاملہ جائز ہوگا۔

علاوہ ازیں غور کرنے کی بات ہے کہ دارالحرب کی جو تعریف اور خصوصیت ہم بتا چکے ہیں اس میں صرف معاہدہ سے فرق ہی کیا آجاتا ہے اور اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ دارالعہد ایک مستقل بالذات دار ہے تو بھی نتائج اور احکام کے لحاظ سے تو بہر صورت وہ دارالحرب ہی ہے صلح حدیبیہ کے بعد مکہ اور اہل مکہ کی حیثیت میں فرق کیا ہو گیا تھا۔ بجز اس کے کہ دوران معاہدہ جنگ روا نہیں تھی۔

واضح رہنا چاہئے کہ دارالحرب دارالعہد جس معاہدہ کے بعد بنتا ہے وہ دارالاسلام کے سربراہ کی جانب سے ہوتا ہے اور انفرادی معاہدہ سے کوئی ملک دارالعہد نہیں بنتا اس لئے اصطلاحی دارالعہد کے لئے دارالاسلام اور شرعی سربراہ کا ہونا ضروری ہے۔

دارالامن

دارالحرب کے کفار جس مسلمان سے یہ کہہ دیں کہ تم ہمارے یہاں رہ سکتے ہو ہم تم سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں گے اس کے لئے وہ دارالحرب دارالامن بن جائے گا اور یہ عین ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں ایک ملک کچھ مسلمانوں کے لئے دارالامن ہو اور بقیہ سارے مسلمانوں کے لئے اسی ملک سے حرب وقتال کرنا جائز ہو۔ اس طرح جو مسلمان دارالحرب میں جاتا ہے اس کو اصطلاح میں مستامن کہتے ہیں۔ اور اس کو لازم ہے کہ کوئی حرکت عہد کے خلاف نہ کرے گویا مستامن بھی معاہد ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ یہ معاہدہ انفرادی ہوتا ہے جس کا تعلق صرف مستامن سے ہوتا ہے اور دارالعہد جس معاہدہ سے بنتا ہے وہ چونکہ دارالاسلام کے سربراہ کی جانب سے ہوتا ہے اس لئے اس کی پابندی تمام مسلمانوں پر لازم ہوتی ہے۔

مستامن دارالاسلام کا شہری ہوتا ہے اور دارالحرب میں کسی خاص غرض سے عارضی طور پر جاتا ہے اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اصطلاحی دارالامن اور مستامن کے لئے دارالاسلام کا ہونا شرط ہے۔

مستامن کو پاس عہد لازم

ولو کان اهل الحرب قالوا لمسلم انت اٰمن فادخل الینا فدخل لم یحل له ان یتعرض بشیٔ من اموالهم۔

ترجمہ: اور اگر اہل الحرب کسی مسلمان سے کہیں تم مامون ہو ہمارے یہاں آؤ اور وہ چلا گیا تو اس کے لئے ان کے اموال میں سے کسی چیز سے بھی تعرض کرنا جائز نہیں ہے۔

صرف یہی نہیں کہ خود اس کے لئے دارالحرب کی کسی چیز پر دست درازی کرنا روا نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے کو دست درازی اور تعرض کرنے کا حکم اور مشورہ دینا بھی اس کے لئے جرم ہے، اور ایسا کرے تو شریعت کے

نزدیک مجرم قرار پائے گا۔

کما لا یجوز للمستامن ان یقتلهم او یاخذ مالهم بغیر رضاهم لا یجوز له ان یامر الاسیر بذالك.

ترجمہ: جس طرح مستامن کے لئے ان کو قتل کرنا یا ان کا مال لینا ان کی رضا کے بغیر جائز نہیں ہے اسی طرح اس کا قیدی کو حکم دینا بھی جائز نہیں۔

دارالحرب میں امان کے ساتھ جانے کو معاہدہ قرار دیا گیا اور معاہدہ کی خلاف ورزی کسی حال میں جائز نہیں، اس دنیا کی کوئی آنکھ دیکھنے والی ہو یا نہ ہو، کوئی پکڑنے والا ہاتھ موجود رہے یا نہ رہے۔ یہ کمال وفاداری اور کمال پاس عہد فقہ کے اس جزئیہ میں دیکھئے کس طرح نمایاں ہے:

''جب کوئی مسلمان دارالحرب میں مستامن ہو اور دارالحرب کے کسی گاؤں میں مقیم ہو، اس وقت مسلمانوں کا کوئی بااختیار لشکر وہاں سے گزرے اور بستی کے مردوں کو قتل اور بقیہ عورتوں بچوں کو قید کر لے اور مستامن سے تعرض نہ کرے تو اس کے بعد بھی وہ مستامن ہی رہے گا اور خود اس کے لئے بستی والوں کی کسی شئی پر ہاتھ ڈالنا جائز نہ ہوگا، کیوں کہ ابھی وہ کفار کے امان میں ہے اور وہ بستی دارالاسلام نہیں ہے اور اگر لشکر بستی کے قریب جا کر پڑاؤ ڈالے اور وہ مستامن بستی سے نکل کر لشکر میں چلا جائے تو اب وہ مستامن نہ رہا۔''

(شرح السیر الکبیر، جلد۳، صفحہ:۱۰۶)

خرید و فروخت میں بھی ان کو فریب دینا مستامن کے لئے روا نہیں۔ اور اگر وہ کوئی چیز غلط طریقہ سے دارالاسلام میں لے کر چلا آیا تو وہ ایک ناجائز چیز ہوگی جسے اس کو صدقہ کر دینا چاہیے۔

دارالحرب میں اسلحہ لے جانا درست نہیں

''پاس عہد، ایمانداری اور دیانت داری کا جہاں یہ تقاضا ہے کہ مشرکین کے ساتھ کوئی ایسی حرکت مستامن نہ کرے جو غدر اور بے وفائی کے ہم معنی ہو وہیں اسے رشتہ اسلام کے تقاضوں کو فراموش کرنا بھی کسی حال میں روا نہیں ہے، اس لئے وہ کوئی ایسا رویہ شرعاً اختیار نہیں کر سکتا جس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کو تقویت حاصل ہو، چنانچہ دارالاسلام سے دارالحرب میں ایسی کوئی چیز لے جانا درست نہیں ہے جو جنگ میں کام آتی ہو، مثلاً لوہے کے بنے ہوئے سامان حتی کہ سوئی اور بطور سواری استعمال ہونے والی چیزیں وغیرہ ذالک''۔

(شرح السیر الکبیر، جلد۳، صفحہ:۲۷۳)

امان کب ختم ہوگا؟

دارالحرب میں کفار مستامن سے اپنی امان واپس لے لیں یا عملاً ان کے کسی رویہ سے یہ ظاہر ہو جائے کہ ان کا برسر اقتدار طبقہ امان کے تقاضوں کو پورا کرنے سے کترا رہا ہے تو وہ امان کالعدم ہو جائے گا۔

والغدر حرام الا اذا غدر بهم ملكهم فاخذ اموالهم او حبسهم او فعل غيره يعلم الملك ولم يمنعه لانهم هم الذين نقضوا العهد۔ (ہدایہ اولین، صفحہ:۴۶۴)

ترجمہ: بے وفائی حرام ہے مگر جب ان کے ساتھ کفار کا بادشاہ بے وفائی کرے پس ان کا مال چھین لے یا ان کو قید کرلے یا بادشاہ کے علم میں بادشاہ کے علاوہ کوئی ایسا کرے اور بادشاہ اس کو نہ روکے (تو امان ٹوٹ جائے گا) کیوں کہ عہد توڑنے والے وہی ہیں۔

دارالحرب میں قیدی

کفار کسی مسلمان کو گرفتار کر کے دارالحرب میں لے جائیں تو اس کی حیثیت قیدی کی ہوگی وہاں کی ہر چیز سوائے عورت اس کے لئے مباح ہوگی کیوں کہ وہ کسی معاہدہ کے تحت نہیں گیا ہے جس کا پاس اور لحاظ ضروری ہے، وہ دغا، فریب، چوری، سودی معاملہ اور کسی کو قتل بھی کرسکتا ہے، ہاں کسی مسلمان کو دارالحرب میں بھی قتل کرنا خدا کے نزدیک گناہ ہوگا۔ کیوں کہ مسلمان کی جان ہر جگہ محترم قرار دی گئی ہے۔

دارالحرب پر دوسرے مشرکین کا حملہ

دارالحرب میں مسلمان جس حیثیت سے بھی ہو بہرصورت اس کو اپنے وقار، خودداری اور غیرت اسلامی کا کما حقہ خیال رکھنا ضروری ہے اس لحاظ سے ایک مومن کے طرز فکر کا اندازہ کرنے کے لئے شرح السیر الکبیر کے چند اقتباسات ہم پیش کرتے ہیں۔

دارالحرب پر کوئی دوسرا مشرک حملہ کرے، اس وقت وہاں پر رہنے والے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے:

''مسلمانوں کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے ساتھ ہو کر دوسرے مشرکین سے جنگ کریں اسلئے کہ دونوں فریق حزب الشیطن ہیں اور حزب الشیطن بہرصورت خائب وخاسر ہونے والے ہیں، پس مسلمانوں کیلئے مناسب نہیں کہ ان دونوں گروہوں میں سے کسی کے ساتھ ضم ہو کر اس کی تعداد میں اضافہ کریں اور ان کی جانب سے مدافعت کریں اور یہ اسلئے کہ جنگ کے نتیجہ میں مشرک ہی کا حکم غالب ہوگا اور مسلمان صرف اہل حق کی نصرت اور غلبہ کیلئے جنگ کرتا ہے نہ کہ حکم شرک کو غالب کرنے کیلئے''۔ (جلد۳، صفحہ:۲۴۱)

''اہل الحرب اگر اپنے مسلمان قیدیوں سے کہیں کہ ہمارے دشمنوں سے ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کرو اور دشمن بھی مشرک ہوں انکار کرنے کی صورت میں اگر جان کا خطرہ نہ ہو تو جنگ میں شریک ہونا مناسب نہیں کیوں کہ اس جنگ میں مشرک کو غلبہ حاصل ہوگا اور جنگ میں شریک ہونے والے کو اپنی جان خطرہ میں ڈالنا پڑے گا جس کی اجازت صرف دو صورت میں ہے دین کو غالب کرنے کے لئے یا پھر اپنی جان کی مدافعت کے لئے''۔ (ایضاً)

''جب مقابل کے مشرکین سے مسلمانوں کو خطرہ ہو تو جنگ میں شرکت کرنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ اس وقت وہ گویا اپنے سے قتل کو دور کر رہے ہوں گے۔'' (ایضاً،صفحہ:۲۴۲)

''اور اگر وہ کہیں کہ چلو ہمارے دشمنوں سے جنگ کرو ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے تو اپنی جان بچانے کے لئے جنگ کی شرکت میں کوئی حرج نہیں اور بسا اوقات جنگ میں شرکت ضروری ہے، جیسے حالت اضطرار میں مردار کھانا واجب ہے''۔ (ایضاً)

دارالحرب میں مسلمانوں سے جنگ

''اہل الحرب اگر مسلمان قیدی کو حکم دیں کہ چلو ہمارے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑو ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے تو اس کے لئے مسلمانوں سے جنگ کرنے کی گنجائش نہیں۔ کیوں کہ یہ بالکل حرام ہے قتل کی دھمکی سن کر اس پر اقدام کرنا جائز نہیں۔ کیوں کہ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی مسلمان سے کہے کہ اس مسلمان کو قتل کر دو ورنہ میں تم کو قتل کر دوں گا''۔(ایضاً،ص:۲۴۲)

''اور اگر مسلمانوں کا کوئی قلعہ کفار گھیر لیں اور اپنے قبضہ کے کسی مسلمان قیدی سے کہیں کہ ہمیں وہ جگہ بتاؤ جہاں سے قلعہ میں داخل ہوا جا سکتا ہے یا پانی کی وہ جگہ بتاؤ جس سے وہ پانی پیتے ہیں ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے اور اس قیدی کو معلوم ہو کہ اگر وہ بتا دے گا تو وہ قلعہ کو فتح کر لیں گے اور اس کے اندر کے لوگوں کو قتل کر دیں گے یا اس سے اس کا ظن غالب ہو تو اس کے لئے بتانا صحیح نہیں ہے''۔ (جلد۳،صفحہ:۲۳۶)

دارالحرب میں تمام احکام مرتفع نہیں ہوتے

مسلمان پر خدا اور رسول کی اطاعت وفرمانبرداری لازم ہے جہاں بھی ہو اور جس حال میں بھی ہو۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ. (الاحزاب:۳۶)

ترجمہ: نہ مومن مرد کے لئے اور نہ مومن عورت کے لئے اپنے معاملہ میں کوئی اختیار ہے جب کہ خدا اور رسول نے کسی بات کا فیصلہ کر دیا ہو

المسلم ملتزم بحکم الاسلام حیث ما یکون۔ (شرح السیر الکبیر، جلد۳، ص:۱۲۸)

یعنی مسلمان اسلام کے حکم کا پابند ہے جہاں بھی ہو۔

بایں ہمہ کچھ احکام ہر جگہ اور ہر حالت میں لاگو ہوتے ہیں اور کچھ بعض حالات میں ساقط ہو جاتے ہیں مثلاً نماز فرض ہونے کے باوجود عورت پر حالت حیض میں فرض نہیں ہے نماز میں قیام فرض ہے لیکن مریض پر فرض نہیں، وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی لیکن مریض یا تندرست بے آب وگیاہ چٹیل میدان میں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں

اور تیمم سے ان کی نماز ہو جائے گی ، اسی طرح دارالحرب میں بھی مختلف افراد سے مختلف حالات میں کچھ احکام ساقط ہو جاتے ہیں اوران کی پابندی ضروری نہیں ہوتی ۔ایسا نہیں ہے کہ دارالحرب میں مسلمان بالکل نا مسلمان بن کر رہے گا۔ پھر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ بہت سی چیزیں محض جواز کی حد تک ہوتی ہیں اوران کے جائز ہونے کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہوتا کہ ان کو عملاً کرنا بھی ضروری ہے۔

ہم یہاں چند مثالیں پیش کرتے ہیں تا کہ کچھ اندازہ ہو سکے کہ کس طرح کچھ احکام ساقط ہو جاتے ہیں اور کچھ کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔

ایک شادی شدہ مسلمان بحیثیت مستامن دارالحرب میں مقیم ہے وہاں زنا کر گزرتا ہے، اب اس پر نہ وہاں رجم کی حد جاری ہوگی اور نہ دارالاسلام میں آنے کے بعد۔ دارالحرب میں تو اس لئے نہیں کہ وہاں شرعی امیر نہیں، اور حد جاری کرنے کے لئے امیر کا ہونا شرط ہے اور دارالاسلام میں امیر تو موجود ہے لیکن جس وقت فعل زنا کا صدور ہوا ہے اس وقت وہ علاقہ امیر کے باہر تھا لیکن حد جاری نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ کے حکم "لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً" ۔یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ زنا فحش ہے۔کا وہ پابند نہ تھا بلکہ یقیناً وہ پابند تھا اوراس نے فعل حرام کا ارتکاب کیا ہے جس کی گرفت اور پرسش خدا کے نزدیک ہوگی کیوں کہ عورت کے حلال ہونے کی صرف دو صورتیں ہیں نکاح اور ملک رقبہ، مذکورہ صورت میں نکاح کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا، رہی ملک رقبہ تو یہ اس وقت ثابت ہوتی ہے جب باقاعدہ امیرالمومنین کی اجازت سے دارالحرب پر چڑھائی کی جائے اور دیگر اموال غنیمت کے ساتھ کچھ مرد اور عورتیں بھی قید کی گئیں اور وہ سب دارالاسلام میں لائے گئے اور امیر کی اجازت سے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے یا کسی نے خرید لیا، الغرض دارالاسلام میں ان کا لانا ضروری ہے اس کے بغیر نہ ملک رقبہ ثابت ہوگی اور نہ عورت حلال ہوگی۔

دارالحرب میں ایک مستامن مسلمان کسی کافر سے سودی معاملہ کرتا ہے شریعت اس کو جائز قرار دیتی ہے اور اسی کافر کا مال اگر چوری کے ذریعہ حاصل کرتا ہے تو جائز نہ ہوگا، وہی مستامن کسی مسلمان کے ساتھ سودی معاملہ یا چوری کے ذریعہ مال حاصل کرے تو ناجائز ہے اور دیکھو کوئی مسلمان قیدی کسی کافر کا مال جس طرح بھی حاصل کرے جائز ہے۔سودی کاروبار کرے یا چوری کرے یا زبردستی چھین لے اس کے لئے سب روا ہے۔اب ہر ایک حکم کی علت معلوم کرو مسلمانوں کے لئے کافر کی جان اور مال حلال اور مباح ہے۔اس لئے جس طرح بھی اس کا مال حاصل کر لیا جائے صحیح ہوگا چاہے خرید وفروخت کی جائے یا سودی معاملہ اور چوری۔لیکن مستامن مسلمان کے لئے چوری اس لئے جائز نہیں کہ اس کا ایک معاہدہ کفار کے ساتھ ہو چکا ہے جس کی خلاف ورزی کسی

طرح صحیح نہیں اور چونکہ مسلمان کی جان اور مال مطلق حرام ہے اس لئے دارالحرب میں بھی غلط طریقہ سے اس کا مال حاصل کرنا غلط ہی ہوگا پس اس کے ساتھ سودی معاملہ بھی جائز نہیں، قیدی مسلمان سے کفار کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے جس کی پابندی اس کے لئے ضروری ہو اور ساتھ ہی کفار کا مال حلال اور مباح ہے اس لئے خرید و فروخت، سودی معاملہ، چوری، زبردستی ہر طریقہ سے ان کا مال حاصل کر لینا اس کے لئے روا ہے۔

احکام کے مرتفع ہونے کی علت

دارالحرب میں بعض احکام کے ساقط ہونے کی یہ چند مثالیں ہیں جن سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دارالحرب میں احکام کے ساقط ہونے کی وہی نوعیت ہے جو دارالاسلام میں بعض اسباب کے تحت بعض احکام کے ساقط ہونے کی نوعیت ہے اسباب اور شرائط جب اور جہاں پائے جائیں گے احکام کی پابندی لازم ہوگی ورنہ نہیں۔ یہی عام اصول دارالحرب اور دارالاسلام دونوں مقامات کے لئے ہے۔

دارالحرب سے متعلق خاص احکام جن اصولوں پر مبنی ہوتے ہیں ان میں سے کچھ اہم اصول ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

① قبولِ اسلام اور ادائیگی جزیہ سے انکار کرنے کے بعد کفار کی جان اور مال مباح ہو جاتا ہے، اسی بنیاد پر حربی کافر کے ساتھ سودی معاملہ اور تمام عقود فاسدہ دارالحرب میں ایک مستامن مسلمان کرسکتا ہے چنانچہ جواز سود کی علت ہدایہ اخیرین میں یہ بتائی گئی ہے۔

ولان مالهم مباح فی دارهم فبای طریق اخذه المسلم اخذ مالاً مباحاًاذا لم یکن فیه غدر. (صفحہ:۷۰)

ترجمہ: اور اس لئے کہ کفار کا مال ان کے دار میں مباح ہے پس جس طریقہ سے بھی مسلمان اس کو حاصل کرے مال مباح حاصل کرے گا۔ جب کہ اس میں غدر نہ ہو۔

② شئ مباح پر استیلاء سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اسی اصول کی بناء پر کفار کے مال پر مسلمان جب پوری طرح قبضہ اور استیلاء حاصل کرتے ہیں تو وہ مالک ہو جاتے ہیں اور اسلامی لشکر کفار سے جو مال اور سامان چھین کر لائے یا مردوں اور عورتوں کو گرفتار کرے سب مسلمانوں کی ملکیت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان گنت مسائل اسی اُصول پر متفرع ہوتے ہیں۔

③ مسلمان کی جان اور مال اصلاً معصوم اور محترم ہے۔

④ معاہدہ کی خلاف ورزی حرام ہے۔

⑤ ”وقتال الکفار واجب وان لم یبدونا “- اور کفّار سے قتال واجب ہے چاہے وہ ہم سے پہل نہ کریں۔

بلا تنظیم اور بلا امیر مسلمان

اب تک کی ساری بحث ان مسلمانوں کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے جو اسلامی اسٹیٹ میں شرعی امیر کے تحت زندگی گزار رہے ہوں ان کا حاکم اللہ اور دستور اور قانون کی بنیاد کتاب وسنت ہو۔ اور اس بحث میں ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ اہل الحرب، معاہد، مستامن، دارالحرب، دارالعہد اور دارالامن وغیرہ کی اصطلاحیں اور ان سے متعلق تمام احکام کی بنیاد کفار سے مکمل جہادی نسبت قائم ہونے پر ہے۔

اب مسلمان جہاں جہاد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں ان کے پاس قوت ہے اور نہ بااختیار امام کے تحت وہ زندگی گزار رہے ہیں بلکہ ان پر انتشار کی کیفیت پوری طرح مسلط ہے کسی ڈکٹیٹر یا کسی لادینی جمہوری حکومت کے ماتحت نیم اسلامی طریقہ سے زندگی کے ایام کاٹ رہے ہیں، کاروبار اور معاملات غیر اسلامی اصولوں کے مطابق ہو رہے ہیں، تنازعات کے فیصلے قرآن وسنت کی روشنی میں ہونے کے بجائے طاغوتی اور کافرانہ قوانین کی رو سے ہوتے ہیں، حدود اور تعزیرات قائم نہیں ہو رہے ہیں، بین الاقوامی تعلقات قومیت اور وطنیت کے نئے نئے تصورات کی بنیاد پر طے پا رہے ہیں۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لئے جہاد اپنے جملہ شعبوں کے ساتھ جائز ہے اور نہ ممکن ہے۔ اس لئے جس طرح کسی دارالاسلام کے مسلمان کفار سے مکمل جہاد کی بنیاد پر تعلقات استوار کرتے ہیں اس طرح ان بلا تنظیم اور بلا امیر مسلمانوں کے لئے مکمل جہاد کو بنیاد بنا کر کفار کے ساتھ اپنا رویہ متعین کرنا کیسے صحیح ہوگا جب کہ ان کے اندر مکمل جہاد کے جواز کی شرطیں معدوم ہیں ان کے لئے بس جہاد کے شعبۂ تبلیغ ودعوت اور دفاع کی بنیاد پر اپنے تعلقات قائم کرنے کی صورت باقی رہتی ہے اِلاّ یہ کہ ایسی کوئی شکل پیدا کر لی جائے جس میں مکمل جہاد کے جواز کی شرطیں موجود ہوں۔

یہاں یہ سوال کوئی کرسکتا ہے کہ چاہے مسلمان جہاد کرنے کی صلاحیت نہ رکھیں اور جہاد کی شرائط موجود نہ ہوں لیکن کفار تو حربی ہونے کے لائق ہیں اور ان کے ملک میں دارالحرب کی ساری خصوصیات تو موجود ہیں اس لئے ان کے ساتھ رویہ میں تبدیلی کیوں ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ دارالحرب سے متعلق خاص احکام کا زیادہ تر انحصار جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں اس بات پر ہے کہ کفار کی جان اور مال مباح ہو جاتے ہیں اور ان سے قتال واجب ہو جاتا ہے مگر جان ومال کے مباح ہونے کا حکم اس وقت لاگو ہوتا ہے جب ان کے سامنے امام المسلمین کی جانب سے دعوت حق پیش کی جائے اور وہ انکار کر دیں اور پھر جزیہ کا مطالبہ کیا جائے اور وہ جزیہ دینا بھی منظور

نہ کریں اور قتال کے لئے ایک شرط کوئی معاہدہ نہ ہونے کی بھی ہے، ان باتوں کے بغیر نہ ان کا جان و مال مباح ہوگا اور نہ جنگ روا ہوگی بایں وجوہ بلا تنظیم اور بلا امیر مسلمانوں کے حق میں دارالحرب سے متعلق اکثر احکام ویسے ہی کالعدم قرار پائیں گے جس طرح ان کے اندر حدود و تعزیرات قائم نہیں کی جائیں گی اور جس طرح ان کے لئے جہاد اپنے جملہ شعبوں کے ساتھ کرنا جائز نہ ہوگا۔

اس لئے ان بلا تنظیم اور بلا امیر مسلمانوں کو دارالاسلام اور دارالحرب میں کیا جائز ہے اور کیا ناجائز کی بحثوں سے قطع نظر اپنی تمام آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز، تمام جد و جہد کا محور اور پوری زندگی کا نصب العین اپنے کو مکمل جہادی پوزیشن میں لانے کو بنانا چاہیے اور جہاد کے جن جن شعبوں اور طریقوں کی شرائط موجود ہیں اِن اِن شعبوں میں ان ان طریقوں سے جہادی عمل اپنانے میں دریغ نہ کرنا چاہئے اسی طور پر وہ اپنے اس فرض کو پورا کرسکیں گے جو اُن کے اوپر غلبۂ اسلام، اعلاءِ کلمۃ اللہ اور اقامتِ دین کے ناموں کے ساتھ عائد ہوتا ہے اور اس سلسلے میں انھیں اپنے پیش نظر خاص طور سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور کو رکھنا ہوگا، اپنی اصلاح کریں، منظم ہوں معروف کو قائم کریں، منکرات سے احتراز کے ساتھ ساتھ ان کو مٹانے کی کوشش کریں، اسلام کی حقانیت دلائل کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کریں اور پرانے اور نئے ہر طرح کے کافرانہ اور مادہ پرستانہ نظریات کے خلاف برسرِ پیکار ہو جائیں اور اسی راہ میں ساری متاعِ زندگی لگا دیں یہاں تک کہ **جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ** کا منظر نصیب ہو یا پھر اپنے رب سے جاملیں اس کے علاوہ مسلمانوں کے لئے کوئی صحیح راہ نہیں ہے۔

دارالحرب سے ہجرت

مکہ سے ہجرت کا حکم ہو جانے کے بعد بھی جو لوگ مکہ میں رہ گئے تھے ان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا○ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا.

(النساء:۹۸،۹۷)

ترجمہ: بے شک ان لوگوں کی جان جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کر رکھا ہے، جب فرشتے قبض کرتے ہیں، تو ان سے کہیں گے کہ تم کس کام میں تھے؟ وہ بولیں گے کہ ہم اس ملک میں بے بس تھے فرشتے کہیں گے کہ اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ تو یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔ بجز ان لوگوں کے جو مردوں اور عورتوں بچوں میں سے کمزور ہوں کہ نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ کوئی راہ پاتے ہوں۔

ان آیات میں جو حکم آیا ہے وہ ایک خاص وقت اور خاص حالات میں آیا ہے اب اس حکم کو دوسرے مواقع پر لاگو کرنے کے لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس حکم میں علت کیا ہے اس لئے کہ کوئی حکم دوسرے محل پر علت کی بنیاد پر ہی لگایا جاتا ہے۔

اس نقطہ نظر سے جب ہم غور کرتے ہیں تو اس حکم کے اندر یہ علت معلوم ہوتی ہے کہ مکہ میں اسلام کے خلاف عداوت اور دشمنی حد سے گزر چکی تھی یہاں تک کہ اصل داعی اللہ کے رسول ﷺ کو ہی ختم کر دینے کا منصوبہ بنالیا گیا۔ اس طرح مکہ میں رہ کر دعوت حق کا پروان چڑھنا ناممکن ہو گیا تھا۔ دوسرے مدینہ میں کچھ مومن پیدا ہو گئے تھے اور وہاں دعوت کے برگ و بار لانے کی توقع ہو چکی تھی۔ یہ تھا وہ پس منظر جس میں ہجرت کا حکم ہوا، ہجرت نبویہ کی اس روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کسی ملک سے ہجرت کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔

اوّل اس ملک میں دعوت حق کے نشو ونما پانے کیلئے علماء اسلام کے نزدیک سارے امکانات ختم ہو چکے ہوں۔

دوّم کسی دوسرے ملک میں دعوت حق کے پروان چڑھنے کی توقع قائم ہو چکی ہو۔

ان دو علّتوں کے بغیر کسی ملک سے اہلِ اسلام کا ہجرت کرنا فرض ناشناسی اور خلق خدا کو دین حق سے محروم کر دینے کے ہم معنی ہے جس پر عنداللہ سخت گرفت کا اندیشہ ہے۔

موجودہ ہندوستان

پچھلے مباحث پر ایک نظر ڈالنے کے بعد موجودہ ہندوستان کی حیثیت بھی صاف ظاہر ہو جاتی ہے تاہم تھوڑی صراحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

موجودہ ہندوستان میں احکام کفر جاری ہیں اقتدار اعلیٰ خدا کے بجائے جمہور کو حاصل ہے دستور اور قانون کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت نبویہ کے بجائے انسانی عقل کے پیدا کردہ قدیم و جدید نظریات ہیں۔ پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں منشاء جمہور کے مطابق قانون سازی ہوتی ہے کسی بات کے لئے کتاب وسنت کا حوالہ کوئی حجت اور سند ہونے کے بجائے فرقہ وارانہ ذہنیت، رجعت پسندی اور دقیانوسیت کی علامت قرار پائے گی۔

چنانچہ ۲۰ سالہ دور جمہوریت میں کوئی ایک مثال نہیں ملتی کہ کسی موقع پر کتاب وسنت کا نام بھی لیا گیا ہو۔ عرصہ ہوا ایک دفعہ کسی ممبر پارلیمنٹ نے پارلیمانی اجلاس میں خدا کا نام لیا تو اس کو جواب ملا پارلیمنٹ میں خدا کا نام کیونکر لیا جا سکتا ہے جبکہ خدا پارلیمنٹ کا ایک ممبر بھی نہیں ہے۔

جہاں تک دستور ہند میں دی ہوئی مذہبی آزادی اور بنیادی حقوق کی حفاظت کی صراحت کا معاملہ ہے تو اس سلسلہ میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ یہ چیزیں کسی ملک کو دارالاسلام یا دارالحرب بنانے میں شمہ برابر بھی مؤثر نہیں

ہیں۔ دار الاسلام میں ذمیوں کو مذہبی آزادی اور جان و مال کی حفاظت حاصل ہوتی ہے اور دارالحرب میں مستامن مسلمان کو بھی اسی طرح کی مراعات کفار دیتے ہیں۔

قطع نظر اس کے موجودہ ہندوستان میں مذہبی آزادی پر پرسنل لاء میں یکسانیت کی دودھاری تلوار لٹک رہی ہے، جس کے گرنے کا ہر وقت اندیشہ ہے اور جان و مال کی حفاظت کو فرقہ وارانہ فسادات اور پھر اس سلسلہ میں پولیس اور فوج کی جانبداری نے بے معنی بنا دیا ہے۔ ان وجوہ سے ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا مگر جیسا کہ اس کے قبل ہم بتا چکے ہیں، دارالحرب کے احکام لاگو ہونے کے لئے مسلمانوں کا مکمل جہادی پوزیشن میں ہونا بھی شرط ہے اور یہ شرط یہاں مفقود ہے، اس لئے موجودہ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں کی نسبت سے دارالحرب کے اکثر احکام لاگو نہ ہوں گے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا فتویٰ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ۱۸۵۷ء سے پہلے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ اس فتویٰ کا مندرجہ ذیل اقتباس بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اصل عبارت فارسی کا ترجمہ درج ذیل ہے:

> ''اس شہر میں امام المسلمین کا حکم قطعاً نہیں چلتا اور رؤساء نصاری کا حکم بے دغدغہ جاری ہے اور احکام کفر کے اجراء سے مراد یہ ہے کہ ملک داری، رعایا کے انتظامات، محصول وخراج کی وصولی، اموال تجارت پر ٹیکس، چوروں ڈاکوؤں کی سزا دہی، مقدمات کے فیصلوں اور جرائم کی سزا میں کفار بطور خود حاکم ہوں، اگر اسلام کے بعض احکام مثلاً جمعہ وعیدین اور اذان اور گائے کے ذبیحے سے تعرض نہ کریں تو کیا ہوا۔
>
> ان چیزوں کی اصل الاصول تو اُن کے نزدیک محض بے حیثیت ہے کیونکہ مساجد کو بے تکلف گرادیتے ہیں، اور کسی مسلمان یا ذمی کی مجال نہیں ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس شہر یا اس کے اطراف میں آسکے، وہ اپنی منفعت کے واسطے آنے والوں اور مسافر و تاجر کی مخالفت نہیں کرتے۔
>
> دوسرے اکابر مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کے حکم کے بغیر ان شہروں میں قدم نہیں رکھ سکتے، اس شہر (دہلی) سے کلکتہ تک نصاری کی عملداری ہے ہاں دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد، لکھنؤ، رامپور میں اپنے احکام کو اسلئے جاری نہیں کیا کہ وہاں کے والیان نے ان سے صلح اور ان کی اطاعت کررکھی ہے۔'' (فتاویٰ عزیزی)

علّامہ رشید احمد گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں

مسئلہ ثالثہ دارالحرب وہ ہے کہ حاکم متصرف اس کا کافر ہو جیسا تمام کفّار کے ملک میں ہوتا ہے اور بعض ممالک میں اسی واسطے خلاف ہو رہا ہے کہ بعد دارالاسلام ہونے کے مغلوب کفار کا ہوا ہے پس صاحبان کا اور امام صاحبؒ کا اس میں اتفاق ہے کہ دارالاسلام جب مغلوب کفار کا ہو جائے گا دارالحرب ہو جائے گا مگر خلاف اس میں ہے کہ مغلوب ہونے کو کس قدر قبضہ کفار کافی ہے صاحبین نے فرمایا کہ کفار اپنا حکم علی الاشتہار جاری کر دے ویں کوئی خدشہ ان کو اور کوئی بند کر دینے والا نہ رہے تو مغلوب ہو گیا اور قیاس بھی اس کو ہی چاہتا ہے کہ غلبہ اس کا ہی نام ہے کہ اپنا حکم جاری کر دے ویں تو کوئی مانع نہ رہے مگر امام صاحب نے دو قید زائد کی ہیں احتیاطاً کہ غلبہ تمام ہونا ان پر موقوف جانا۔

ایک یہ کہ امن وقت اسلام کا باقی نہ رہے بلکہ کفار اپنا عہد و امن جدید جاری کر دے ویں پہلے استیمان اسلام کا کوئی اثر نہ رہے تو یہ امر بھی بعض ممالک میں بوجہ اتم موجود ہے بولو کہ عہد و ذمہ اسلام کہاں ہے کوئی ان کا اثر و نشان کہیں ہے، بلکہ کفار کا ہر روز عہد ہونا اور اپنا قاعدہ جاری کرنا آفتاب کے مانند ہو رہا ہے، دوسرے یہ کہ اتصال اس کو دارالاسلام سے نہ رہے کیونکہ اگر باوجود، اجراء احکام اور امن جدید کے اتصال باقی رہے گا تو مسلمان حاکم کو فی الجملہ لینے کی قوت اور سہولت رہے گی کہ ایک ہی حملہ میں کفار کو دفع کر کے قابض ہو جاوے گا البتہ اگر وہ قریہ اسلام سے جدا ہو گیا اس طرح کہ درمیان اس مغلوب موضع کی اور دارالاسلام کے کوئی دار کفر کا موضع حائل ہو گیا ہے تو اب اس کا چھڑانا دشوار ہے اب غلبہ تمام ہو گیا دار کفر بن گیا پس اتصال و انفصال اقلیم واحد کی صورت میں ہے تعجب کرتا ہوں فقہائے وقت سے کہ اس شرط پر کس طرح غلطی کرتے ہیں پورا مطلب نہیں سمجھتے کہ کیا ہے۔

بہر حال حسب رائے امام صاحب کے بھی وہ ملک مغلوب بوجہ اتم ہو کر دار کفر ہو گیا اور صاحبین کے مذہب پر تو کوئی امر ہی باقی نہیں رہا یہ کہ بعد دار حرب ہونے کے مسلمانوں کو اپنے احکام جاری کرنے پر جو حکام دار و گیر نہیں کرتے وہ دوسرا امر ہے تنوع عبارات فقہاء دیکھ کر اور اصل مطلب کو نہ سمجھ کر شبہ ہوتا ہے اور بعد فہم مطلب اہل مذہب کے امر واضح ہے۔ واللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ۔ (ضمیمہ: تحذیر الاخوان عن الربو)

دارالاسلام اور دارالحرب کے متعلق علّامہ کشمیریؒ کی تحقیق

احکام اسلام کے اجراء وغیرا جراء اور بہت سی مہماتِ اسلامی کا تعلق ہر دو دار کے اصولی فرق سے وابستہ ہے، اس لئے اس کی بھی یہاں بقدر ضرورت شرح وایضاح مناسب ہے۔اس کے ضمن میں یہ بات بھی آجائے گی کہ ہمارا ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟

محقق عصر حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ نے اس سلسلہ میں ایک نہایت عمدہ تحقیق بہت مدت ہوئی اپنے خطبہ صدارت آل انڈیا جمعیۃ علماء (منعقد پشاور) میں لکھی تھی جو شائع شدہ ہے۔اس کے بعد ایک مستقل تحریر اسی موضوع پر تحریر فرمائی جو اَب تک قلمی یادداشت کی شکل میں کتب خانہ رحمانی مونگیر میں محفوظ تھی جس کو چند ماہ قبل محترم ومخدوم جناب مولانا منت اللہ صاحب رحمانی، فاضل دیوبند و رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، امیر شریعت بہار واڑیسہ نے نہایت عمدہ آرٹ پیپر پر فوٹو آفسٹ سے طبع کرا کر شائع کر دیا ہے۔درحقیقت اس کی اشاعت سے مولانا موصوف نے علمی دنیا پر بہت بڑی منت فرمائی ہے۔**وللہ الاجر والمنۃ**

حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر فارسی زبان میں ہے، نہایت مفید ہوتا اگر اس کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شائع ہو جاتا، بہرحال اس تحریر کا ضروری خلاصہ پیش ہے:

> ''کسی شہر یا ملک کے دارالاسلام یا دارالحرب ہونے کا مدار محض غلبہ وشوکت پر ہے، اگر وہاں مسلمانوں کا غلبہ ہے تو وہ دارالاسلام ہے، اور کفار ومشرکین کا غلبہ ہے تو دارالحرب۔''جامع الرموز'' میں ہے کہ دارالاسلام وہ ہے، جس میں امام المسلمین کا حکم جاری ہو اور مسلمان وہاں مامون ہوں اور دارالحرب وہ ہے جس میں مسلمان کافروں سے خوفزدہ ہوں۔
>
> اگر کسی جگہ دونوں کے احکام جاری ہوں اور بعض وجوہ سے اہل اسلام کا بھی غلبہ ہو تو اس کو بھی بحکم الاسلام **یعلو ولا یعلی** دارالاسلام کہہ سکتے ہیں، مگر صرف اس وجہ سے کہ کسی جگہ مسلمان بھی رہتے ہوں (بغیر کسی غالبانہ حیثیت کے) اس کو دارالاسلام نہیں کہہ سکتے۔ورنہ جرمنی، فرانس، روس وچین وغیرہ کو بھی دارالاسلام کہا جائے گا۔
>
> اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک طویل محققانہ بحث اس امر پر کی ہے کہ ایک دارالاسلام کن صورتوں میں دارالحرب بن جاتا ہے، اور امام صاحب وصاحبین کے نظریات کی تنقیح وتوضیح فرمائی ہے، جو اہل علم کے لئے بہت قیمتی ہے، پھر فرمایا کہ اجراء احکام اسلام کا مطلب بطور غلبہ اظہار حکم اسلام ہے محض اداء جماعت و جمعہ مراد نہیں ہے کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے اور بتلایا ہے کہ اجراء احکام کفر اشتہاراً اسے مراد یہ ہے کہ حاکم کفار کے حکم جاری کرے اور وہ لوگ قضاۃ مسلمین کی طرف رجوع نہ کریں، یعنی قضاۃ مسلمین کی کوئی شوکت

ووقعت نہ ہو، اور جن بلاد میں کفار قابض ہو جائیں اوران کے احکام نافذ نہ ہوں بلکہ قضاۃ مسلمین ہی کے احکام چلیں تو اس وقت تک ان کو بھی دارالاسلام کہیں گے، غرض فقہاء نے سارا مدار نفاذ احکام پر رکھا ہے، اس پر نہیں رکھا کہ اس شہر یا ملک کے لوگ آزادی سے باجماعت نمازیں ادا کرتے ہیں یا نہیں اور نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں وغیرہ، کیونکہ ان اُمور یا دوسرے شعائر اسلام کی ادائیگی دارالحرب میں بھی کفار کی اجازت سے ہوتی ہے جس طرح دارالاسلام میں اہل ذمہ کفار اپنی تمام مذہبی رسوم آزادی سے ادا کرتے ہیں، مگر ان کی وجہ سے اس کو دارالحرب نہیں کہہ سکتے۔ آخر بحث میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اہل فقہ میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اگر ملک کفار میں ان کی اجازت سے مسلمان شعائر اسلام ادا کرتے ہیں تو وہ ملک دارالاسلام بن جاتا ہے۔ حاشا وکلاً۔ یہ بات تفقہ سے بہت دور ہے اور جب یہ بات منقح ہوگئی تو ہندوستان کے بارے میں خود ہی فیصلہ کیا جاسکتا ہے ظاہر ہے کہ یہاں کفار نصاریٰ کے اجراء احکام کا اس درجہ غلبہ ہے کہ اگر ایک ادنی حاکم ضلع بھی حکم جاری کردے کہ مساجد میں نماز جماعت ادا نہ کی جائے تو کسی غریب یا امیر مسلمان کی طاقت وقوت نہیں ہے کہ مسجد میں جا کر نماز ادا کر سکے۔

اسی طرح یہاں جو جمعہ وعیدین کی ادائیگی ہوتی ہے یا عدالت میں بھی بعض قوانین فقہ پر عمل ہوتا ہے وہ بھی محض کفار کے اس حکم کے تحت ہے کہ جس سے ہر شخص کو اپنے دین کے موافق عمل کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ (یعنی جب چاہیں وہ اس حکم کو منسوخ بھی کر سکتے ہیں) رہی یہ دلیل کہ ہم لوگ ابھی تک اسی سابق امن سلاطین اسلام کے تحت امان میں ہیں، یہ بھی غلط ہے، کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ جو امن شاہ عالم نے عطا کیا تھا، ہم اسی کی وجہ سے اس وقت مامون بیٹھے ہوئے ہیں، بلکہ ظاہر ہے کفار نصاریٰ کے جدید امن سے ہمیں موجودہ امان ملا ہوا ہے، رہی دارالحرب کی یہ شرط کہ وہ کسی طرف سے کسی دارالاسلام کے حصہ سے ملحق ومتصل نہ ہو، وہ شرط بلاد وقریٰ کے اندر ہے، ممالک واقالیم میں نہیں ہے، کیونکہ ایک شہر وقریہ کے لوگ اپنے قریبی شہر وقریہ والوں کی مدد کر سکتے ہیں، مگر ممالک میں یہ بات دشوار ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ افغانستان ہندوستان سے ملحق ہے تو اس کے لوگ یہاں آ کر کفار کو ملک سے نکال سکتے ہیں۔ حاشا وکلا۔ بلکہ ان کا نکالنا نہایت دشوار ہے۔ بہر حال ہندوستان پر کفار کا تسلط اس درجہ ہے کہ کسی وقت بھی اس سے زیادہ مستحکم تسلط وغلبہ کفار کو کسی دار الحرب میں نہیں ہوا، اور مسلمانوں کی مراسم اسلام کی ادائیگی محض ان کی اجازت پر ہے، مسلمانوں سے زیادہ عاجز ترین رعایا کوئی نہیں ہے، ہنود کو بھی اس سے زیادہ رسوخ حاصل ہے، البتہ رام پور، ٹونک، بھوپال وغیرہ (اسلامی ریاستوں) میں باوجود کفار کے ماتحت ہونے کے چونکہ مسلمان نواب کی طرف سے احکام اسلام جاری ہیں ان کو ''دارالاسلام'' کہہ سکتے ہیں جیسا کہ ردالمحتار کی روایات سے مستفاد ہوتا ہے۔''

(انوار الباری جلد اول، صفحہ ۱۹۹۔۲۰۰)

مولانا اعجاز احمدؒ کی رائے

اسلامک فقہ اکیڈیمی کے دوسرے سمینار منعقدہ دہلی ۸ ؍تا ۱۱ ؍دسمبر ۱۹۸۹ء میں ایک موضوع پر تقریباً ڈیڑھ درجن علماء نے اظہار خیال فرمایا تھا۔ ان میں سے مولانا اعجاز احمد کے مقالہ کا ایک اقتباس ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ اکثر علماء کے مقالات دیکھنے سے علّامہ گنگوہیؒ کے ارشاد کی صداقت ظاہر ہوتی ہے کہ مسئلہ میں الجھاؤ کی اصل وجہ کتب فقہ کی عبارتوں کو نہ سمجھنا ہے۔

''جوصورت حال انگریزی دورحکومت میں تھی اگر اس وقت ہندوستان دارالحرب تھا، تواب ظاہر ہے کہ اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں آئی ہے، جس کی بنیاد پر اسے دارالاسلام قرار دیا جاسکے، پہلے انگریزوں کو غلبہ حاصل تھا۔ اب اکثریت کو قوت حاصل ہے، اقلیت کا کام صرف اس قدر ہے کہ کسی پلڑے میں اپنا وزن ڈال کر اسے ذرا وزنی بنا دے، اور اس کے عوض میں کچھ دستوری حقوق سے مستفید ہوئے، مسلمان جو کچھ اسلامی احکام پر عمل کر لیتے ہیں وہ بر بنائے غلبہ وقوت نہیں ہے، بلکہ ملک کا دستور سیکولر ہے اس میں ہر اقلیت کو تحفظ دیا گیا ہے، اسی تحفظ سے اہل اسلام استفادہ کرتے ہیں۔ یہی وہ تحفظ ہے جسے فقہاء امان سے تعبیر کرتے ہیں ایسا تحفظ دارالاسلام میں غیر مسلموں کو بھی ملتا ہے، اس صورت حال میں ہندوستان کا دارالحرب ہونا متعین ہے۔

پھر دارالحرب یا دارالکفر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو بالفعل اہل اسلام سے برسر پیکار ہو یا آمادہ جنگ ہو، دوسرے وہ جس کی مسلمانوں سے صلح ہو اور مسلمان وہاں ان کے امان کے تحت رہتے آئے ہوں اس دوسری قسم کو ''دارالموادعۃ'' کہہ سکتے ہیں لیکن ہے وہ بھی دارالحرب ہی''۔

علّامہ سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر کسی دارالحرب والوں نے اہل اسلام سے مصالحت کر لی پھر وہاں کوئی مسلمان گیا اور ان سے ایک درہم کے عوض دو درہم کی بیع کی تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مصالحت سے دارالحرب دارالاسلام نہیں بن جاتا''۔
(صفحہ نمبر: ۱۴۹۲، جلد ۴)

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہندوستان مسلمانوں کے حق میں دارالحرب کی دوسری قسم بنتا ہے۔ یہاں کے غیر مسلموں سے غدر، خیانت اور سرقہ تو جائز نہیں لیکن ان کی رضامندی سے ان کے اموال کو عقود فاسدہ (جن میں سودی معاملات بھی داخل ہیں) کے تحت حاصل کرنا امام صاحب اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔''

از: مجلہ فقہ اسلامی
مرتبہ: مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ
مطبوعہ: قاضی پبلشر اینڈ ڈسٹری بیوٹرس
ونٹیج بلڈنگ، حضرت نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۔۱۳